نیکیاں اور اُن کے ثمرات

پروفیسر حافظ سید منصور علی

سید پبلی کیشنز، کراچی

کے۔3، اے۔ون کمرشل، گلشن اقبال بلاک 11، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

نیکیاں اور ان کے ثمرات

بعض ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جس ماحول اور جن حالات میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں ان میں اسلامی تعلیمات پر عمل بیحد مشکل ہے۔ روزمرہ کے بڑھتے ہوئے مسائل ذاتی مفادات دُنیوی لذات سے کنارہ کش ہونا بھی چاہیں تو نہیں ہو سکتے۔ یہ ایسا چکر ہے جس میں داخل ہونے کا دروازہ تو ملتا ہے مگر باہر آنے کا راستہ نظر نہیں آتا۔ جائز و ناجائز کا خیال حلال وحرام کی تمیز کے بارے میں وعظ و نصیحتیں تو کافی سننے کو مل جاتی ہیں لیکن دنیوی ترغیب اور تقاضے عمل کے راستے میں بہت بڑی رُکاوٹ ثابت ہوتے ہیں۔ یہ اندازِ فکر دُرست نہیں ہے۔ سارا معاملہ انسانی سوچ کا ہے، انسان ہر وہ کام کر ہی لیتا ہے جس کو وہ ضروری اور اہم سمجھتا ہے۔ اگر صبح کی چار بجے کی فلائٹ یا ٹرین سے جانا ہو تو مسافر وقت سے پہلے ہی اُٹھ کر سفر کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا وہ بندہ جس کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت والی بات یہ ہے کہ وہ ہر حلال میں اپنے معبود کی اطاعت و فرماں برداری کرے تاکہ وہ اس سے خوش ہو جائے۔ کیونکہ اس کا مقصد معبود کی خوشنودی اور اپنے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اس راستے کی ہر تکلیف وسختی اس کیلئے راحت وسکون کا روح پرور پیغام ہے۔

مومن تو ہر گھڑی اور ہر وقت اس بات کیلئے کوشاں رہتا ہے کہ وہ نیک اعمال کے ذریعے اپنی دنیوی فلاح واُخروی نجات کیلئے ایسے کام کرے جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کا سبب ہوں۔ اسلامی تعلیمات جامع، نیک اعمال آسان اور مختصر مگر ثواب کے لحاظ سے بیحد عظیم ہیں، رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس خصوصی کرم کا کیا ٹھکانہ کہ آپ نے اپنے غلاموں کی زندگی کے ہر شعبے اور ہر لمحے کو اپنی ہدایت و رہنمائی کے نور سے مزین ومنور فرما دیا اور ہر مقام اور ہر وقت کیلئے ذکر اللہ اور دعاؤں کے ایسے چھوٹے چھوٹے جملے سکھا دیئے جن کے پڑھنے سے نہ کسی دنیوی کام میں خلل پڑتا ہے اور نہ پڑھنے والے کو خصوصی محنت کرنا پڑتی ہے۔ دعائیں مختصر ہیں مگر جس کو اختیار کرنے سے دین و دنیا کی بھلائی اور اخروی نجات کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

نیکی کا کوئی بھی عمل ہو اس کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، نتائج اور اجر وثواب کے لحاظ سے اس کی اہمیت اور وزن بہت زیادہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کو تو ایک مختصر جملہ ہے جس کے پڑھنے میں نہ کوئی محنت نہ وقت کا خرچ مگر اسکے فیوضات و برکات بیشمار۔

مومن جب ہر کام کرنے سے قبل بسم اللہ پڑھتا ہے تو وہ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اپنے ربّ کے پاک نام سے جس کام کا آغاز کر رہا ہوں وہ بغیر اس کی تائید و توفیق کے تکمیل و کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس میں خیر و برکت کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور انجام کے لحاظ سے یہ کام خطرے اور نقصان سے محفوظ رہتا ہے۔

ارشادِ مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، ہر وہ کام جسے بسم اللہ سے شروع نہ کیا گیا ہو وہ ناقص اور ادھورا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر کام سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھا کرتے تھے۔

اس طرح کسی مسلمان کو سلام کی ابتداء کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ ابوداؤد کی حدیث شریف ہے، لوگوں میں اللہ تعالٰی کے قریب تر وہ شخص ہے جو لوگوں کو سلام کرنے کی ابتداء کرے۔

سلام کیلئے جان پہچان شرط نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کرے۔ اس سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ محبت بڑھتی ہے۔ اللہ تعالٰی کی نعمتوں کا کثرت سے شکر کرنا ایک انتہائی محبوب عمل ہے۔ جس کا بے حد اجر و ثواب ہے۔ اس طرح نعمتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالٰی سے تعلق اور محبت میں ترقی ہوتی ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی نیکیوں کے نتائج و ثمرات دنیوی زندگی میں بھی ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے نفع بخش اثرات نجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان ہر اس نیک کام کرنے کو بے چین رہتے تھے جس کے بارے میں انہیں علم ہوتا کہ اس سے ان کا ربّ راضی ہوتا ہے۔

نیکیوں کا سرمایہ

دولت انسان کی ضرورت ہے، اس سے بھلا کسے انکار ہوسکتا ہے لیکن اگر یہ تصور دل میں جگہ کرلے کہ جتنا بھی مل جائے اور جہاں سے بھی مل جائے کم ہے اور انسان حلال وحرام کی پابندی سے آزاد اور جائز و ناجائز کے تصور سے بے نیاز ہوجائے تو پھر یہ دولت بہت سے فتنوں کا سبب اور بیشتر برائیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ ہاں اگر بندہ دولت کو احکامِ الٰہی کے تحت حاصل کرے اور منشائے ربانی کے مطابق خرچ کرے تو پھر یہ سب مال واسباب فضل خداوندی کے حصول کا ذریعہ اور معاشرے کی فلاح وبہبود کا وسیلہ بن جاتا ہے۔

جہاں تک مومن کی زندگی کا تعلق ہے وہ دنیوی دولت کو اپنی جائز ضرورتوں کی تکمیل کی حد تک تو حاصل کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ نیکیوں کے سرمایہ کے حصول کیلئے بھی ہمیشہ سرگرم عمل رہتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خود نیک بننا اور دوسروں کو نیک بنانا معاشرتی ضرورت تو ہے ہی لیکن یہ ہماری ذِمہ داری بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کے افکار واعمال میں خداترسی، راست بازی، احساسِ ذمہ داری اور دوسری اعلیٰ خوبیاں پائی جاتی ہیں جن سے اس کی آخرت بھی بنتی ہے اور دنیا بھی سنورتی ہے۔

اگر تھوڑا سا غور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ نیکیوں کے حصول کے مواقع ہماری روز مرہ زندگی میں قدم قدم پر ملتے ہیں۔ دیکھئے تعلیمی اداروں، سڑکوں، دفتروں اور خرید وفروخت کے مراکز میں جو سلوک ہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں، اس کی بنیاد اگر مالی مدد، ایثار وہمدردی، محبت وتعاون کے جذبہ پر ہو تو یہ سب نیکی ہی کے تو کام ہیں حتیٰ کہ کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا اور اچھی بات کہنا بھی ایک بہتر اور پسندیدہ عمل ہے۔ نیکیوں کے اس عمل سے خیر کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ انسانی رِشتے مضبوط ہوتے ہیں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو فروغ ملتا ہے۔ ہم کو بھی تو نیک بنانا چاہتا ہے۔

تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ صلحائے اُمت نے نیکیوں کے اس سرمایہ کو اِکٹھا کرنے کیلئے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی تو تعلیم تھی کہ حاجت مندوں کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجت مند آجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ ضرورت مند کی ضرورت پوری کرے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، دنیا ایک بازار ہے، کوشش کرو کہ اس بازار کی اس شے کی خرید وفروخت میں حصہ لیا جائے جو کل بازارِ آخرت میں تم کو نفع پہنچائے۔ توحید، اخلاق اور نیک عمل وہاں کا مروجہ سکہ ہے۔ پھر بتاؤ کہ نفاق، نام ونمود اور دنیا پرستی کی پونجی سے وہاں کیا ملے گا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ نے ایک موقع پر ہدایت فرمائی، جتنا ممکن ہو لوگوں کے دِلوں کو آرام پہنچاؤ۔ بازارِ آخرت میں کوئی سامان اتنا مقبول نہ ہوگا جتنا دلوں کو آرام پہنچانا مقبول ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نیکیوں کا یہ سرمایہ انسان کو عظمت وفضیلت احترام اور بزرگی کے اس بلند معیار پر پہنچا دیتا ہے، جہاں اہل دنیا کی نظریں بھی عقیدت واحترام میں اس بندۂ حق کے سامنے جھک جاتی ہیں۔ پھر اس کی نیکیوں کا یہ محفوظ سرمایہ آخرت میں بھی اس کو اجر وثواب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ بات تو یہ ہے کہ جس کے پاس عزت وعظمت کی یہ گراں قدر پونجی اور نیکیوں کی لازوال دولت ہو اس سے بڑھ کر خوش قسمت بھلا اور کون ہوگا۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی تو ارشادِ گرامی ہے، لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

جو شخص کسی نیک کام کا صرف ارادہ کرے اس کیلئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے جب وہ اس نیک کام کو کرے تو دس گنا ثواب ملتا ہے اور گناہ کا عمل بھی کرے تو ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

اس عفو وکرم کے ہوتے ہوئے تباہ وبرباد اللہ کے دربار میں وہی ہوسکتا ہے جس نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرلیا ہو۔

سورۂ انعام میں ارشادِ ربانی ہے: من جاء بالمنیہ .... مثلھا

اس آیۂ مبارک میں آخرت کی جزا وسزا کا کریمانہ ضابطہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص ایک نیک کام لائیگا اس کو دس گنا بدلہ دیا جائیگا اور جو ایک گناہ لے کر آئے گا اس کا بدلہ صرف ایک گناہ کے برابر دیا جائے گا۔

جزا وسزا کیلئے موت کے وقت تک اس نیکی یا برے عمل پر قائم رہنا شرط ہے۔ اگر کسی شخص نے کوئی نیک عمل کیا لیکن اس کی حفاظت سے غافل اور اسی پر مستقل مزاجی سے قائم نہ رہا بلکہ اس کیساتھ گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا رہا تو اس طرزِ عمل سے اس کے نیک اعمال بھی باطل اور بے اثر ہوجاتے ہیں جیسا کہ صدقہ کا عمل نیک احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے سے ضائع ہوجاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرنا نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو جلا ڈالتی ہے۔ اس سے پتا چلا کہ مسجد میں جو نیک اعمال تلاوتِ قرآن پاک، نوافل وتسبیح کی شکل میں کئے جاتے ہیں وہ دنیا کی باتیں کرنے سے ضائع ہوجاتے ہیں۔ اس طرح برے عمل سے اگر صدق دل سے توبہ کرلے تو وہ گناہ نامۂ اعمال سے مٹا دیا جاتا ہے۔ موت کے وقت تک باقی نہیں رہتا۔

نیک عمل کی ادائیگی کیساتھ اس کی حفاظت پر پوری توجہ بھی ضروری ہے تاکہ بندۂ مومن اجر وثواب کی دولت سے مالا مال ہوجائے۔

نیکیوں کا یہ محفوظ سرمایہ انسان کو عظمت وفضیلت، احترام وبزرگی کے اس بلند معیار پر پہنچا دیتا ہے جہاں اہل دنیا کی نظریں بھی عقیدت واحترام میں اس بندۂ حق کے سامنے جھک جاتی ہیں۔

نیکی کا تصور

انسانی اعمال تین حصوں پر تقسیم کیئے جاسکتے ہیں۔ بعض اعمال تو ایسے ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ مثلاً عبادات ذکر واذکار اور ربّ کریم کی مکمل اطاعت۔ دوسرے اعمال وہ ہیں جو بندہ اپنی ذاتی اصلاح اور روحانی ترقی و تربیت نفس کیلئے سرانجام دیتا ہے۔ مثلاً زندگی کے ہر شعبے میں اطاعتِ الٰہی اور خوشنودی مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال رکھنا۔ نعمتوں پر شکر کرنا۔ تکالیف پر صبر کرنا، نوافل اور دیگر ذرائع سے قربِ الٰہی کے حصول کیلئے کوشاں رہنا اور اپنی فانی اور عارضی زندگی کے ہر موڑ پر قرآن کریم سے ہدایت و رہنمائی طلب کرنا، ان تمام اُمور کو اختیار کرنے سے اسے اجر وثواب بھی ملتا ہے اور اپنی ذات کیلئے دینی و دنیوی فوائد بھی حاصل ہوجاتے ہیں۔ لیکن تیسری قسم کے اعمال وہ ہیں جس کا واسطہ اللہ کے بندوں سے ہے۔ مثلاً مسلمانوں اور دیگر انسان کے تمام حقوق ادا کرنا۔ ان کی ضروریات، جائز خواہشات پوری کرنا۔ ان کی تکلیف دُور کرکے ان کو ہر قسم کی سہولت مہیا کرنا۔ حقوق العباد کی ادائیگی سے کم ازکم تین قسم کے فوائد کا حصول تو یقینی ہے۔ اپنے ربّ کی فرماں برداری اپنی ذات کیلئے اجروثواب، بندگان الٰہی کی خدمت گزاری اور دلداری کرکے ان کی نیک تمناؤں اور دعاؤں کا قیمتی سرمایہ۔

اپنے علاوہ دوسروں کا خیال رکھنا ہمارے ربّ کو اس قدر پسند ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا، تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب شخص وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ احسان کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے حد شفیق، مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو کوتاہیوں اور لغزشوں سے پردہ پوشی فرماتا ہے۔ بندوں کا بھی فرض ہے کہ وہ نفرت وحقارت، سختی وزیادتی کی بجائے مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی کا سلوک کریں اور بندگانِ الٰہی کو گناہوں کی تاریکی سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہیں۔ ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا اور دیگر نیکی اور بھلائی کے کاموں کی فضیلت کا اندازہ اس ارشادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لگایئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، غریبوں اور بیواؤں کی خدمت کرنے والا وہی درجہ رکھتا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات بھر نماز پڑھنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے کچھ لوگ تو روزے سے تھے اور کچھ لوگ نہیں۔ روزے دار تو آرام کرنے لگے اور جو روزے سے نہیں تھے انہوں نے اس جگہ خیمے نصب کیئے جہاں ہم نے پڑاوُڈالا تھا۔ پھر انہوں نے سواری کے جانوروں کو پانی پلایا۔ رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، آج تو اجر وہ لوگ لے گئے جو روزہ سے نہیں تھے۔ حالانکہ روزہ کا اجروثواب تو مسلم ہے جس سے روزہ دار محروم نہیں رہتا۔

برائی کے مقابلے میں نیکی کی تلقین صرف اسلام کی ہی خصوصیت ہے ورنہ عام طور پر انسانی رویہ یہی ہے کہ جو شخص جیسا سلوک کرے اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھا جائے۔ایک دفعہ ایک صحابی نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا حضور! اگر میں کسی کے پاس جاؤں اور وہ میری خاطر تواضع نہ کرے تو کیا جب وہ میرے پاس پہنچے تو میں بھی اس کیساتھ ویسا ہی سلوک کروں؟ اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،نہیں! جب وہ تیرے پاس آئے تو تُو اس کی مہمانی کر۔

ہماری روزمرہ کی زندگی میں نیکیوں کے مواقع بکثرت ملتے ہیں۔مثلاً کسی کی مدد کرنا، راہ چلنے والوں کو راستہ بتا دینا، اپنے بھائیوں کو گناہ اور برائیوں سے بچانا، ضرورت پڑنے پر ان کی مدد کرنا، لوگوں کو تکلیف اور پریشانی سے بچانا، ان کو آرام و سہولت مہیا کرنا، خیر خواہی اور ہمدردی کا مظاہرہ کرنا اور خندہ پیشانی سے ملنا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مواقع کو ضائع نہ کیا جائے۔ نیکی کے ثمرات کے حصول کیلئے ضروری ہے اس کی بنیاد اپنے ذاتی فائدے پر نہ ہو بلکہ صرف رضائے الٰہی کے حصول اور اتباع مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل پیش نظر ہو۔کسی بھی نیکی کو معمولی نہ سمجھا جائے۔اس میں تاخیر نہ کی جائے اور اس کا اجر صرف اپنے ربّ سے طلب کیا جائے کیونکہ یہ اسی کا کرم ہی تو ہے جس نے نیکی کی توفیق بخشی۔اس لئے اصل تعریف صاحبِ کمال کی نہیں بلکہ خالقِ کمال کی ہونی چاہیے۔

نیکی کی توفیق

نیک عمل کی توفق خالق کائنات کا عظیم انعام اور گراں قدر عطیہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ نساء میں ارشادِ ربانی ہے **من جاء ...... منها** (جو بھلائی بھی تم کو ملتی ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے) یعنی یہ سب کچھ ہمارے ربّ کی رحمت وعنایات کا ثمر ہی تو ہے۔ دانشمندی کا تقاضا ہے کہ بندہ نیکی کے مواقع کو غنیمت جانے کہ معلوم نہیں کہ مہلت عمل کب ختم ہو جائے۔ اللہ کے نیک بندے اپنے نیک عمل پر نہ تو نازاں ہوتے ہیں اور نہ ہی اسے شہرت و نیک نامی کا ذریعہ بناتے ہیں بلکہ انہیں تو ہر وقت یہی خدشہ رہتا ہے کہ ان کی یہ کاوش اور محنت بارگاہِ الٰہی میں مقبول بھی ہوگی یا نہیں۔ سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جب اس دنیا سے رُخصت ہونے لگے تو حاضرین سے فرمایا، بھئی تم بلند مراتب و درجات عالیہ کی بات کرتے ہو اگر آخرت میں بخشا جاؤں تو یہ میرے معبود کا سراسر فضل و کرم ہوگا۔ حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ فرماتے تھے، مومن اطاعت کرتا ہے پھر بھی ڈرتا ہے اور منافق نافرمانی کر کے بھی بے خوف رہتا ہے۔

نیکی دراصل تین خصلتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ پہلی بات تو یہ کہ نیک کام کرنے میں جلدی کرے، کیونکہ ہر نیک خیال اور نیک عمل مہمان کی طرح ہوتا ہے۔ مہمان کی اگر انسان خاطر مدارت اور تواضع نہ کرے تو وہ آپ کے پاس زیادہ وقت ٹھہرنا پسند نہیں کریگا۔ اسطرح اگر نیک عمل پر توجہ نہ دی اور یہ وقت غفلت اور لاپرواہی میں گزار دیا اور یہ نیک خیال دل سے رخصت ہو گیا تو محرومی اور شرمساری کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئیگا۔ شریعت نے تین کاموں کو جلد کرنے کی تاکید کی ہے۔ نماز کا جب وقت آجائے اس میں دیر نہ کی جائے۔ وقت پر نماز ادا کرنا اور نیکی کے دوسرے کام جلد کر لینا ایک پسندیدہ عمل ہے۔ لڑکی بالغ ہو جائے تو مناسب اور موزوں رشتہ کی دیر نہ کی جائے۔ انتقال کے بعد لواحقین کی پوری کوشش ہونی چاہئے کہ دنیا سے جانے والے کی تجہیز و تکفین میں بلا ضرورت تاخیر نہ ہو۔

نیکی کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اسے پوشیدہ رکھے نیک عمل تو وہ ہے جو لوگوں کیلئے نہیں بلکہ اپنے معبود کی رضا اور خوشنودی کیلئے کیا جائے دوسرے لوگوں کی واہ واہ اور ان سے تعریف سننا پیش نظر نہ ہو۔ نیکی کا تیسرا کمال یہ ہے کہ بندہ اپنے ہر نیک عمل کو معمولی سمجھے اس کو ہر وقت یہ فکر لگی رہے کہ میرے معبود کا مجھ پر جو حق تھا وہ ادا نہ کرسکا۔ اگر یہ نیکی قبول ہوگئی تو یہ تو میرے رحیم و کریم ربّ کی عنایت و کرم نوازی ہے۔

نیک عمل ربّ کا فضل

اللہ کے نیک بندے اس چند روزہ زندگی میں نیک اعمال کا سرمایہ اِکٹھا کرنے میں کبھی غفلت اور لا پرواہی سے کام نہیں لیتے۔ ان کی یہی کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ جتنا بھی ہو سکے نیکیوں کی اس دائمی اور حقیقی پونجی کو حاصل کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اپنے معبود سے قریب کرنے، زندگی کو با مقصد اور پر سکون بنانے کا واحد ذریعہ یہ نیک اعمال ہی تو ہیں جن کی اس دنیا میں بھی ضرورت ہے اور آخرت میں بھی یہ توشہ کام آئے گا۔ انسان اپنی دنیوی زندگی میں جن جن چیزوں پر محنت کر کے اپنے تمام وسائل اور توانائیوں کو یہاں کام میں لاتا ہے وہ موت کی ایک ہچکی کے ساتھ ساری کی ساری یہاں ہی رہ جاتی ہیں جو چیز اس کے ساتھ جاتی ہے وہ اعمال کی پونجی ہی تو ہے جس پر اس کی جزا یا سزا کا دارومدار ہے۔ دنیا کی فانی اور ناپائیدار زندگی میں مومن کسی بھی نیکی کو معمولی نہیں سمجھتا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہے کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی اپنا اثر اور مقام رکھتی ہے۔ حضرت عدی علیہ الرحمۃ روایت کرتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نیکی کے کسی کام کو بھی حقیر نہ سمجھو، تم خندہ پیشانی کے ساتھ اپنے بھائی سے ملتے ہو، یہ بھی نیکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، ان گناہوں سے بھی بچتے رہنا چاہئے جن کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے، ان کی بھی باز پرس ہوگی، چھوٹے چھوٹے گناہوں کا اکٹھا ہونا انسان کی ہلاکت کیلئے کافی ہے۔ گناہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ ہر حال میں نقصان دہ ہے۔ چنگاری ہو یا انگارہ دونوں کا کام بہر حال جلانا ہے۔ فرق صرف جلد یا دیر کا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتنی صحیح بات کہی ہے کہ گناہ کو نہ دیکھو کہ وہ چھوٹا ہے یا بڑا بلکہ اپنے ربّ کی عظمت اور بڑائی پر نظر رکھو کہ وہ ہستی کتنی عظیم ہے جس کی تم نافرمانی کر رہے ہو۔

ایک مومن کو ہر وقت یہی خدشہ رہتا ہے کہ نیک اعمال کی ادائیگی کے بعد بھی میرے معبود کا جو حق مجھ پر تھا وہ پھر بھی میں ادا نہیں کر سکا۔ اس کی وسیع ترین رحمت کے مقابلے میں میری معمولی نیکیوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔ مسجد ہی کو لیجئے۔ یہ بہت سی نیکیوں کا مرکز و محور ہے۔ بندۂ مومن اس التجاء اور درخواست کے ساتھ مسجد میں داخل ہوتا ہے، اے میرے ربّ! اپنی رحمت کے دروازے میرے لئے کھول دے۔ اس کے بعد نوافل، نماز با جماعت کی ادائیگی، تلاوتِ قرآن پاک، ذکر و اذکار، تسبیح و وظائف، مناجات و دعا سے فارغ ہونے کے بعد یہ کلمات ادا کرتے ہوئے مسجد سے باہر آتا ہے، اے اللہ! میں تیری خوشنودی والے عمل انجام دینے کے بعد بھی تجھ سے تیری رحمت اور فضل کا طلبگار رہوں۔ اگر تیرا فضل شاملِ حال نہ رہا تو یہ نیکیاں کیسے قبول ہوں گی۔ اللہ کے نیک بندے اپنے ہر نیک عمل کو اپنے ربّ کا کرم سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ان کو شرفِ قبولیت عطا فرما دے تو اس رحیم و کریم معبود کی کرم نوازی ہے۔

نیکی کی حقیقت

دنیا کی زندگی عارضی اور غیر یقینی...... معلوم نہیں کب اور کس طرح ختم ہو جائے مگر موت یقینی ہے۔ اسے ہر حال میں اور ہر جگہ اپنے وقتِ مقررہ پر ضرور آنا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ بعض دفعہ انسان دنیوی دلفریبیوں اور رعنائیوں میں اس قدر منہمک ہوتا ہے کہ سفرِ آخرت کی تیاری کا اسے احساس تک نہیں رہتا۔ زندگی ایک مہلت ہے۔ عطیہ الٰہی ہے۔ اپنے ربّ کو خوش کرنے اور ارشاداتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا ایک سنہری موقع ہے۔ اللہ کے نیک بندے اس دنیا کی ناپائیدار زندگی کے مختصر وقفے میں وہ سب نیک اعمال انجام دینے کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں جن سے ان کی اُخروی زندگی جو دائمی ہے کامیاب اور خوشگوار ہو جائے۔ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ ہر شخص جو کچھ یہاں بوتا ہے آخرت میں وہی کاٹتا ہے۔ آخرت میں کامیاب صرف وہی شخص ہوگا جس نے دنیا کی فانی زندگی کو خالق دنیا کی مرضی ومنشاء کے مطابق گزارا ہوگا۔

آخرت کی تیاری سے غافل انسان دنیوی زندگی کو پرکشش اور دلفریب بنانے کیلئے آسائشوں اور سہولتوں کی فراوانی کی شکل میں جو کچھ بھی اکٹھا کرتا ہے موت کی ایک ہچکی ان ساری لذتوں کو یکسر ختم کر کے رکھ دیتی ہے اور سب کچھ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ کچھ بھی تو ساتھ نہیں جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، انسان کے تین ساتھی ہیں: مال، عزیز واقارب، اعمال۔ مرنے کے بعد مال تو یہیں رہ جاتا ہے۔ عزیز واقارب بھی قبر تک ہی ساتھ جاتے ہیں، بلکہ ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ جلد سے جلد جانے والے کو آخری منزل تک پہنچا دیا جائے۔ اعمال قبر میں بھی ساتھ جاتے ہیں۔ ان ہی پر انسان کی سزا یا جزا کا دارومدار ہے۔ جس شخص کی زندگی میں نیکیاں غالب ہوں وہ اطمینانِ قلب، اطاعت الٰہی اور اتباع مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لازوال دولت اور اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہو کر زندگی کی شب و روز بسر کرتا ہے۔ نیکی خواہ کتنی ہی معمولی اور چھوٹی ہو اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ نیکی برائیوں کے مضر اثرات کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ سورۂ ہود میں ارشادِ ربانی ہے 'بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں'۔ نیک عمل کیلئے خلوصِ نیت بے حد ضروری ہے۔ اگر کسی عمل نیک کا مقصد صرف ذاتی منفعت، شہرت وعزت کا حصول، شخصی مفادات کی تکمیل ہو تو ایسا عمل ثواب کی روح سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ مومن کے ہر نیک کام میں صرف اپنے ربّ کی رضا اور اتباع مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش نظر ہوتی ہے۔

مومن تو بدخواہی کا جواب خیر خواہی اور برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دیتا ہے۔ ربّ کائنات بھی ہمیں حکم دیتے ہوئے فرما رہا ہے، 'برائی کو بہتر طریقے سے مٹاؤ یعنی برا چاہنے والوں کیساتھ بھی اچھا سلوک کرو'۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اگر میں کسی کے پاس جاؤں اور وہ میری خاطر مدارت نہ کرے، پھر جب وہ میرے پاس آئے تو کیا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں؟ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں! جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کی مہمانی کرو۔

کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت نیکیوں کی عظیم دولت کیساتھ اپنے ربّ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور معبودِ حقیقی ان کو اپنے انعام واکرام سے نوازتے ہوئے فرماتا ہے، جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کیلئے دس گنا اجر ہے۔ نیکیوں کی سرمایہ کاری کر کے تو دیکھئے پھر ربّ کریم کے اجروثواب اور عنایات ونوازشات کا کیا ٹھکانہ۔

نیک لوگوں سے تعلق

معاشرہ کا ہر فرد اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے ایک دوسروں سے تعلقات قائم رکھنے اور ان کو مستحکم کرنے کیلئے ہر ممکن ذرائع اختیار کرتا ہے جن لوگوں سے اس کا تعلق ہوتا ہے ان سے کبھی فائدہ پہنچتا ہے کبھی نقصان۔ کبھی خوشی کبھی غمی۔ مخالفت اور موافقت کے مواقع بھی آتے رہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نیک برگزیدہ اور محبوب بندوں سے تعلق وسیلۂ خیر۔ ان کی رفاقت منبع خیر اور ان کی محبت مجسمہ خیر ہوتی ہے۔ ان کی صحبت کے فیوضات و برکات کا تو کیا کہنا۔ ان کے ذکر سے بھی بے چین دِلوں کو چین اور بے قراریوں کو قرار آجاتا ہے۔ جس سکون واطمینان کو ہم باہر کی دنیا میں تلاش کرتے ہیں وہ ہمیں انکی پاک سیرتوں میں نظر آتا ہے۔ باکمال سیرتیں ہی انسانی زندگی کو متاثر کرتی ہیں۔ ان مقدس ہستیوں کی زندگیوں میں اطاعتِ ربّ اور اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔

سورۂ فاتحہ میں معبودِ حقیقی ہم سے دعا مانگنے کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے: اھدنا الصراط ' ہم کو سیدھے راستے پر چلا' گویا جب ہدایت کا ذکر آیا تو ربّ کائنات نے اپنے بندوں کی توجہ کتاب کے ساتھ اپنے مقبول بندوں کی طرف بھی پھیر دی۔ جس کو ہدایت کی تمنا ہو وہ کتاب پڑھے اور ان کو دیکھے۔ ان سے تعلق صرف دنیوی فلاح کی علامت ہی نہیں بلکہ اُخروی بھلائیوں کا ذریعہ بھی ہے۔ سورۂ زخرف میں ارشادِ ربانی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: 'گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔ قیامت میں سب تعلقات اور دوستیاں تو ختم ہو جائیں گی البتہ وہ لوگ جو پرہیزگار تھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اپنی زندگی گزارتے رہے ان کا تعلق باقی رہے گا'۔ ان نفوس قدسیہ کی زندگی کے ہر پہلو پر اطاعتِ ربّ اور اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔

یہ مخلوقِ الٰہی کیلئے سراپا ایثار اور مجسمۂ ہمدردی ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں انتقام نہیں۔ جھوٹ وغیبت سے یہ دُور رہتے ہیں۔ ریاکاری فخر وغرور خود غرضی و بدگمانی کا ان کے ہاں گزر نہیں۔ ہر کسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ کسی کا دل نہیں دُکھاتے، کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے، ان کی زندگی کتنی بلند ہے۔ ربّ کے نزدیک عزت کے مستحق یہی متقی لوگ ہیں۔ ان کی رفاقت اور صحبت میں انسان بگڑتا نہیں، بنتا ہے، سنورتا ہے۔ یہ نفوسِ قدسیہ خود بھی چمکتے ہیں اور دوسروں کو بھی چمکا دیتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔

مقبولانِ بارگاہِ الٰہی شہرت منصب اور دولت کے اسیر اور محتاج نہیں ہوتے۔ آئی ہوئی دولت کو نظر اُٹھا کر بھی دیکھنا انہیں گوارہ نہیں۔
ان کی نظر ہر وقت اپنے معبود پر رہتی ہے۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک ادائیگیٔ حج کیلئے مکہ مکرمہ میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ مسجد حرام میں
ذکر و فکر کی ایک محفل جمی ہے جس میں طالبانِ حق عقیدت و احترام کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاداتِ عالیہ
کو نہایت ہی انہماک و توجہ سے سن رہے ہیں۔ یہ بھی مجلس میں شامل ہوگیا۔ محفل جب ختم ہوئی تو خلیفہ نے حضرت کو کچھ نذر کرنا چاہا
آپ نے یہ کہہ کر اس کی پیش کش کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا کہ بھئی گھر ہو اللہ کا اور میں لوں بندے سے مجھے تو اپنے معبود سے
شرم آتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب آپ باہر تشریف لائے تو راستے میں کھڑے ہوئے خلیفہ نے اپنی پیش کش کو پھر دُہرایا۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا، عزیز من! دنیا تو میں نے اللہ کے گھر میں بھی اپنے رحیم و کریم معبود سے بھی
نہیں مانگی، پھر دنیا اس سے کیوں لوں جس کے قبضہ میں ہے ہی نہیں اور جو خود اپنے ربّ کا محتاج ہے، اصل دولت تو توفیق خیر ہے
جس کو یہ دولت مل گئی وہ ثمرات خیر سے بھلا محروم کیسے رہ سکتا ہے۔ یہ دولت ضرورت مندوں کو دے دو۔

مومن کا اعزاز

اے ہمارے معبود ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا انعام فرمایا۔ دعا ہے تو مختصر یعنی سیدھے راستے کی طلب اور انعام یافتہ افراد کی رفاقت۔ لیکن اہمیت و افادیت کے لحاظ سے یہ خواہش مومن کی پوری زندگی کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ عزت و شہرت، شان و شوکت، قیادت و سیادت بلا شبہ انسانی زندگی کے پرکشش گوشے ہیں لیکن مومن کا سب سے بڑا اعزاز خود نیک بننا اور دوسروں کو نیک بنانا ہے۔ ایک نیک شخص کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی ذات سے زیادہ سے زیادہ نیکیاں پھیلیں اور خدمتِ خلق کے مواقع اسے میسر آتے رہیں تا کہ اس کا وجود خالق کائنات کی اطاعت کی علامت اور اس کی مخلوق کی خدمت کی ضمانت ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب نیک رفیق مل جائیں تو زندگی کی تلخیاں خوشگواریوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور ان اصحاب خیر کے وجود سے پورا معاشرہ ایثار و ہمدردی محبت و اخوت کی عملی تصویر نظر آتا ہے۔ اصل میں دین نام ہے دوسروں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا۔ سڑکوں پر حادثات ہوتے ہیں۔ اسپتالوں میں مریض درد سے بے چین نظر آتے ہیں۔ بسوں اور ریل میں کھڑے ہونے تک کو جگہ نہیں ملتی۔ غریب نانِ شبینہ تک کیلئے محتاج، کسی کو جسم ڈھانپنے کیلئے لباس کی ضرورت، کوئی کسی تکلیف میں مبتلا تو دوسرا کسی اور پریشانی کا شکار۔ تکالیف اور مجبوریوں کے اس عالم میں ایک مردِ صالح معاشرے کے ضرورت مند افراد کیلئے سراپا خلوص اور ایثار و ہمدردی کا پیکر نظر آتا ہے۔ نیکی کے کام کرنے سے انسان کو دِلی مسرت حاصل ہوتی ہے اور پھر ضرورت مند افراد بھی مطمئن اور ہمارا معبود بھی راضی۔

شیخ عبداللہ نیازی جو شیخ سلیم چشتی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے ان کا معمول تھا کہ محلّہ کے ہر ضرورت مند کی تکمیل کیلئے اس کے ساتھ چل دیتے۔ اگر کسی کے گھر پانی نہیں تو خود پانی بھر کر گھر پہنچا دیتے۔ راستے میں کھڑے ہو کر پیاسوں کو پانی پلاتے۔ نماز پڑھنے والوں کیلئے وضو کے پانی کا انتظام کرتے۔ اگر کوئی ضعیف آدمی بوجھ اُٹھائے جا رہا ہے تو اس کا بوجھ خود اُٹھا لیتے۔ نماز کا وقت آتا تو لوگوں کو نماز کیلئے اِکٹھا کرتے اور کہتے کہ بھائیو! معبودِ حقیقی کی بارگاہ میں حاضری کا وقت آ گیا ہے۔ نماز پڑھو اور ایسا نہ ہو کہ غیر حاضری لگ جائے اور اپنے ربّ کی عنایتوں سے ہم محروم ہو جائیں۔ اور جب لوگ نماز سے فارغ ہوتے تو آپ مارے خوشی کے پھولے نہ سماتے۔ پھر اللہ کے یہ نیک بندے عبادت یا نیکی کے عمل کو اپنا کوئی ذاتی کمال یا کوئی بڑا کارنامہ تصور نہیں کرتے بلکہ وہ تو اپنے معبود کی اس عنایت پر سراپا شکر بن جاتے کہ ہمارے ربّ نے ہم کو اس شرف سے نوازا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات کو عبادت سے فارغ ہو کر کچھ دیر کیلئے سو جاتے لیکن ان کی خادمہ کا یہ معمول تھا کہ وہ خاموشی سے اُٹھتی اور عبادت میں مصروف ہو جاتی۔ ایک دن اچانک ان بزرگ کی جو آنکھ کھلی تو ان کے کانوں میں آواز آئی اے میرے ربّ! میں تجھے اس محبت کا واسطہ دیتی ہوں جو تجھ کو مجھ سے ہے تو میری دنیا اور آخرت دونوں کو سنوار دے۔

حضرت سفیان ثوری نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے، خدا کی بندی محبت تو بندے کو اپنے معبود سے کرنی چاہئے یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ خادمہ عرض کرتے ہوئے بولی حضور بات تو آپ بھی صحیح فرماتے ہیں لیکن میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو مجھ سے محبت ہے جب ہی تو اس نے اس وقت رات کی تاریکی میں جب سب لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں مجھ گناہ گار کو جاگنے کی توفیق عطا فرمائی تا کہ میں اپنے معبود کی بندگی کر سکوں۔ یہ عنایت میرے ربّ کی کیا کم ہے۔

بہترین عمل

طویل علالت کے بعد جب صاحبِ خانہ کا اس دنیائے فانی سے رُخصت ہونے کا وقت قریب آیا تو بیوی بچے اور دیگر افرادِ خانہ ان کے گرد اِکٹھے ہوگئے۔ سب موجود لوگوں نے اپنا کہا سنا معاف کرایا۔ صاحب زادوں میں سے ایک صاحب زادہ عرض کرنے لگا، ابا جان! اپنی آخری خواہش کا اظہار فرمادیجئے تاکہ اس کی تعمیل کی سعادت بھی ہمیں حاصل ہوجائے۔ بزرگ والد نے جواب دیا، بیٹا! کیا کہوں اور کیسے کہوں اپنے ربّ کی عطا کی ہوئی زندگی میں اس کی بے پناہ عنایتوں اور بے پایاں نوازشوں کا حق ادا نہیں کرسکا، جس کیلئے بے حد شرمسار اور اس کی طرف سے مغفرت کا طلبگار ہوں۔ بس دو ہی خواہشیں ہیں اگر وہ پوری ہوجائیں تو یہ میرے آخری سفر کیلئے بہترین زادِراہ اور اُخروی نجات کا ایک انمول وسیلہ بن جائیگا۔ ایک آرزو تو یہ ہے کہ میرے بیٹو! میرے بعد بھی تم اپنے معبود کی فرماں برداری اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری کو اپنی زندگی کا مقصد بنالینا۔ سب کچھ چھوٹ جائے مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ سب بیٹوں نے والد کے اس فرمان پر عمل کرنے کا وعدہ کرلیا۔ دوسری خواہش یہ ہے کہ بس میرا ربّ مجھ سے راضی ہوجائے اس کے بعد بزرگ خاموش ہوگئے اور سورۂ یٰسین سنانے کی فرمائش کی۔

دنیوی اور اخروی زندگی میں خوشنودیٔ ربّ ایک عظیم ترین انعام اور بے حد قیمتی سرمایہ ہے۔ اللہ کے نیک بندے اپنے معبود کو راضی رکھنے کیلئے اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں صَرف کردیتے ہیں وہ دنیا میں اپنی کامیابی وخوشحالی کے سارے امکانات اور اپنے ہر قسم کے دنیوی مفادات اس اُمید پر قربان کردیتے ہیں کہ کسی طرح ان کا ربّ راضی ہوجائے اس مقصد کے حصول کیلئے وہ نیک اعمال انجام دیتے رہتے ہیں۔ دنیا کے کام بھی مستقل مزاجی اور پابندی کے بغیر حسن انجام تک نہیں پہنچتے۔ لیکن دینی کاموں میں استقامت اور پابندی تو بے حد ضروری ہے۔ کسی بھی شخص کا نیک عمل سرانجام دینا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا اپنے ربّ سے تعلق ہے۔ اب اگر یہ مبارک کام چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بندے کا تعلق اپنے ربّ سے یا تو ٹوٹ گیا ورنہ کمزور تو ضرور پڑ گیا ہے۔ یہ کوتاہی معمولی کوتاہی نہیں بلکہ روحانی زندگی کا ایک المناک واقعہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عمل کی کثرت مطلوب نہیں بلکہ اس کی پابندی مقصود ہے۔ وقتی جذبے اور ہنگامی جوش کی بنیاد پر جو کام کیا جائے ایسا عمل نہ تو دیرپا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے نتائج دوررس ہوتے ہیں۔ پسندیدہ اطاعت وہی ہے جو انسان مستقل مزاجی سے انجام دیتا رہے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راتوں کو عبادت فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات کی عبادت کبھی ترک نہیں فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جو استقلال کے ساتھ برابر کیا جاتا رہے۔ (بخاری) دعا کرو کہ وہ میری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمادے۔ اگرچہ وہ تھوڑی ہی ہوں۔ البتہ جو عبادات اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں ان کو بلا عذر شرعی چھوڑنا ان میں کمی یا ناغہ کرنا نافرمانی کا عمل ہے۔

نیک انسان جو بھی عمل کرتا ہے اس کیلئے وہ مخلوقِ الٰہی سے داد وتحسین، تعریف وتوصیف، شہرت وعزت کا طالب نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی نمود ونمائش کی خواہش دامن گیر ہوتی ہے۔ وہ تو ہمیشہ اس بات کیلئے کوشاں رہتا ہے کہ کسی طرح یہ عمل بارگاہِ ربّ العزت میں مقبول ومنظور ہوجائے کیونکہ یہ اس کے ربّ کا کرم اور انعام ہے جس نے اس کو یہ کام کرنے کی توفیق وہمت عطا فرمائی۔ اپنے آپ یا اپنے نیک عمل کو کچھ سمجھنے کی بجائے نظر اپنے معبود کی کرم نوازی اور عنایت پروری پر بندہ رکھے تو قبولیت کا راستہ مختصر اور آسان ہوجاتا ہے۔ بس ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پیش نظر ہو۔

خوشنودی ربّ

مجاہدین کی مدد کیلئے جیسے ہی اعلان ہوا، لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق جو کچھ بھی ان سے بن پڑا وہ پیش کر دیا۔ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ میں اپنے دوسرے بھائی سے زیادہ اس نیک کام میں حصہ لوں۔ اس کام کیلئے معبودِ حقیقی اپنی خوشنودی کے علاوہ اس بات کا بھی وعدہ فرمارہا ہے کہ تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے۔ اللہ اللہ! خالق حقیقی کی بے نیازی اور نوازش کا کیا ٹھکانہ کہ مال دیا ہوا بھی اسی کا اور جب اس کی راہ میں طلب کیا جائے تو قدردانی اور حوصلہ افزائی کے طور پر اس کو قرض سے تعبیر کرے جس کی واپسی بے پناہ اجر و ثواب اور کثیر منافع کے ساتھ کی جائے گی۔ اللہ کی راہ میں دیا ہوا مال ضائع نہیں ہوتا بلکہ دائمی طور پر ربّ کریم کے پاس محفوظ ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوشت کی کچھ مقدار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پہنچائی اور ہدایت کی کہ یہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دینا۔ وقت گزرنے کے بعد آپ نے دریافت فرمایا، عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! کیا تم نے وہ گوشت راہِ الٰہی میں دے دیا ہے؟ اہلیہ محترمہ نے جواب میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! سارا دے دیا ہے بس یہ تھوڑا سا بچ گیا ہے۔ تاجدارِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! یہ نہیں بچا یہ تو کچھ ہی دیر میں ضائع ہو جائے گا۔ بچا تو وہ ہے جو تم اللہ کے راستے میں دے چکی ہو۔ یہی کام آئے گا اور اس کا اجر بھی ملے گا۔

تمام تر کوشش کے باوجود جب مطلوبہ رقم حاصل نہ ہو سکی تو حضرت ابو عثمان نے اپنے طالب علموں کی توجہ اس نیک کام کی طرف دلائی۔ ایک طالبِ علم جس کے مالی حالات بہت اچھے تھے کھڑا ہو گیا اور گھر جانے کی اجازت طلب کی، استاد نے اجازت دیدی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مذکورہ طالبِ علم نے ایک کثیر رقم کی تھیلی لا کر استاد کی خدمت میں پیش کر دی اور کہا کہ یہ حقیر سا تحفہ مجاہدین تک پہنچا دیا جائے۔ استادِ محترم اپنے شاگرد کے اس نیک جذبے اور کشادہ دِلی پر بے حد خوش ہوئے اور حاضرینِ مجلس کے سامنے اپنی اس خوشی کا اظہار کیا۔ شاگرد یہ سب کچھ دیکھ کر اور سن کر حیرت میں پڑ گیا اور سوچنے لگا، استاد نے مجھے کس آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ آخر کار ادھیر بن کے اس عالم میں کہنے لگا، حضور یہ رقم تو میں نے آپ کو لا کر دیدی، لیکن اس کیلئے میں اپنی والدہ محترمہ سے اجازت حاصل نہ کر سکا جو سراسر امانت و دیانت کے اصولوں کے خلاف ہے، میری والدہ کو معلوم ہو گا تو ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی۔ آپ یہ رقم مجھے لوٹا دیجئے۔ حضرت ابو عثمان نے رقم کی تھیلی سب کے سامنے اپنے اس شاگرد کو واپس کر دی جو اسے گھر لے کر چلا گیا۔

شاگرد واپس تو آ گیا لیکن سارا دن نہایت ہی بے چینی میں گذرا اور اس بات کا شدت سے انتظار کرنے لگا کہ کب شام ہو تاکہ اُلجھا ہوا معاملہ سلجھ جائے۔ جب رات کی تاریکی بڑھنے لگی تو طالبِ علم نے سوچا کہ اب تو تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہوں گے۔ استاد محترم بھی اکیلے ہوں گے۔ اس لئے اس وقت ان کی خدمت میں حاضر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ شاگرد نے رقم کی تھیلی لے جا کر استاد کی خدمت میں پیش کردی اور عرض کرنے لگا، عالی جاہ! والدہ محترمہ کو تو قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں اس غلط بیانی کی معذرت چاہتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے یہ عمل اپنے ربّ کی خوشنودی کی خاطر کیا ہے نہ کہ لوگوں کی تعریف یا اپنی شہرت کیلئے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے اس کام کا علم کسی کو ہو۔ بس میں تو اپنے ربّ سے اس کی رضا کا طالب ہوں۔ وہ اپنے بندوں کو ان کی توقعات سے زیادہ نوازتا ہے۔ اس لئے نظر اس مسبب الاسباب پر رکھنی چاہئے۔ وہی ہمارے ہر ارادے کا راز دان اور ہر نیک عمل کا قدر دان ہے۔ حضرت ابو عثمان نے اپنے شاگرد رشید کی نیت کے خلوص اور پاکیزگی عمل کو دیکھا تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

یہ سعادت مند شاگرد حضرت ابو نجید نیشا پور کے رہنے والے تھے۔ جو آگے چل کر اپنے وقت کے جید عالم ہو گزرے ہیں۔ جن کو ربّ کریم نے کثیر دنیوی دولت کے ساتھ ساتھ فکر آخرت کے عظیم سرمایہ سے بھی نوازا تھا۔

حسن عمل

ہمارے معاشرے میں کوئی نہ کوئی شخص دو کام ضرور کر رہا ہے ایک وہ جس سے رحمان خوش رہے اور دوسرا وہ جس سے گناہوں کے راستے کشادہ ہوتے رہیں۔ ہمارے نوجوان کا المیہ یہ ہے کہ ان کے شب و روز اس معاشرہ میں گزر رہے ہیں جو ذہنی انتشار اور دورنگی کا شکار ہے۔ وہ دیندار حضرات اور بزرگوں سے سنتا کچھ ہے لیکن عملی زندگی میں اسکو بالکل مختلف اور متضاد رویے نظر آتے ہیں کفایت شعاری کی تلقین کرنے والے جب فضول خرچی بلکہ شاہ خرچیوں میں اپنی دولت پانی کی طرح بہادیں، سادگی کی جگہ نمود ونمائش اور دل کی بھڑاس نکالنے پر زور ہو ایفائے عہد کی اہمیت بتانے والے وعدہ خلافی میں کسی سے پیچھے نہ ہوں۔ فنون لطیفہ اور آرٹ کی ترقی کے نام پر عریانی اور بے باکی کے مناظر سامنے آتے ہوں۔ امانت دیانت اور مخلوق الٰہی کو فائدہ پہنچانے کی اہمیت جاننے بلکہ ماننے والے ملاوٹ، چور بازاری اور ناجائز طریقوں سے منافع خوری میں ملوث ہوکر اپنے ذاتی فائدے کیلئے کوشاں ہوں، ایسے بھی تعلیمی ادارے موجود ہوں جہاں حصول علم اور اشاعت علم کا مقدس فریضہ ایک منفعت بخش تجارتی مشغلہ بن جائے۔ بعض دینی رُجحانات رکھنے والے بھی دنیوی ترغیبات اور دیگر مصلحتوں کے سامنے بے بس نظر آئیں اور بقول علامہ اقبال جب صورتِ حال یہ ہوجائے کہ 'خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں' تو پھر ان حوصلہ شکن حالات میں گھرا ہوا نوجوان رہنمائی وہدایت کیلئے کس کی طرف دیکھے اور کس کی پیروی کرے۔

پرانی نسل اس لحاظ سے خوش قسمت تھی کہ ان کے سامنے علم وعمل کے حسین امتزاج کے زندہ شاہکار موجود تھے۔ اساتذہ کرام اپنے شاگردوں کی علمی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ اپنے پیشے کے تقدس اور حلال روزی کے حصول کا اس حد تک خیال رکھتے کہ قیام پاکستان سے پہلے کی بات ہے کہ ایک دِینی مدرسہ کے اساتذہ کرام کا معمول تھا کہ جب کوئی مہمان یا احباب ان سے بغرض ملاقات آتے تو گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے اور کوشش کرتے کہ ملاقات کا دورانیہ کم سے کم ہو۔ ان کے جانے کے بعد پھر گھڑی میں وقت دیکھ لیتے اور لکھ لیتے، پورے مہینہ یہ عمل جاری رہتا، جب مہینہ پورا ہوجاتا تو اساتذہ باقاعدہ درخواست دیتے کہ اس مہینے میں ہم نے اپنی ڈیوٹی کے دوران یہ وقت ذاتی کاموں میں صَرف کیا ہے۔ لہٰذا جمع شدہ اوقات کے پیسے ہماری تنخواہ سے وضع کر لئے جائیں تاکہ جو تنخواہ ہم کو ملے وہ حلال اور جائز ہو۔ آج تنخواہ لینے اور بڑھانے کیلئے درخواستیں دی جاتی ہیں، احتجاج بھی ہوتے ہیں، مگر تنخواہ کٹوانے کیلئے درخواست دینے کا تو آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

والدین بھی نمونہ عمل کی اہمیت سے قطعاً غافل نہ تھے۔ بلکہ کوشش یہی کرتے کہ ان کے قول و عمل میں کسی بھی قسم کا تضاد نہ ہو۔
حضرت ابو موسیٰ اشعری علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک رفیق سے کہا کہ بھائی میں فلاں دن سفر پر روانہ ہونگا، آپ میرا ضروری سفر کا سامان تیار کر دیں، دوست نے کوشش تو بہت کی مگر چند مجبوریاں ایسی آن پڑیں کہ سامان کی تیاری مکمل نہ ہو سکی۔ مشورہ یہ دیا کہ حضرت پروگرام ملتوی کر دیجئے، ایک دو روز سے زیادہ فرق نہیں پڑے گا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری علیہ الرحمۃ نے جب یہ سنا تو حیرانگی کے عالم میں کہنے لگے بھائی یہ تم کیا کہہ رہے ہو! میں نے اپنے گھر والوں کو اپنی روانگی کے بارے میں دن اور تاریخ سب بتا دی ہے۔ ملتوی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ایسی کوئی خاص مجبوری یا رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ اگر میں نے اپنی روانگی کے پروگرام پر عمل نہ کیا تو میرے اہل خانہ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ میں نے ان سے غلط بیانی اور وعدہ خلافی کی ہے جب میرے گھر والوں کا ہی مجھ پر اعتبار اور اعتماد اُٹھ جائے تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔ بچوں کیلئے تو وعدہ خلافی اور دوسری برائیوں کے راستے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے ناکمل تیاری کے ساتھ ہی اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

نیکی کا معیار

اسلام زندگی کو خانوں میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ پوری زندگی کو رضائے الٰہی کے تابع اور اطاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ ہمارے معبود کا بھی تو یہ حکم ہے کہ اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ تجارت ہو یا سیاست۔ معیشت ہو یا معاشرت۔ اخلاقیات ہوں یا معاملات سب کے سب دینی احکامات کے تابع ہونے چاہئیں۔

دراصل اسلامی عبادات کا ایک مقصد انسان کے معاملات کی دُرستگی اور اخلاق حسنہ کی تربیت و تکمیل ہے۔ خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان عبادت کی ظاہری شکل کو ہی سب سے بڑی نیکی سمجھنے لگے اور حقیقی مقصد سے یکسر غافل ہو جائے۔ مثلاً نماز ہی کو لیجئے۔ ارشادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، جس کی نماز اس کو برائی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور دُور کر دیتی ہے۔ اسی طرح روزہ کا معاملہ ہے۔ روزہ دار اگر جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

کامیاب زندگی کا راز یہ ہے کہ انسان تمام حقوق و فرائض میں توازن اور اعتدال قائم رکھے۔ یہ نہ ہو کہ کہیں تو وہ اللہ کا بندہ بن کر رہے اور کہیں نفس کا۔ کبھی آزاد ہو جائے اور کبھی غلام بن جائے۔ عبادت میں تو بندہ حکم خداوندی کی تعمیل کرتا ہی ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنے روزمرہ کے معاملات کو بھی مرضئ الٰہی کا تابع بنالے اور پھر معاملات کا شعبہ تو ویسے بھی بے حد اہم ہے کہ اسکے اچھے اور برے اثرات براہِ راست دوسروں کی زندگیوں پر پڑتے ہیں، ان کا تعلق حقوق العباد سے ہے جن کا معاملہ بیحد نازک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، دوسرے تمام گناہ توبہ سے معاف ہو سکتے ہیں لیکن لوگوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوں گے جب تک خود ان حقوق والوں سے معاف نہ کرا لیا جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور کچھ مالی مدد کی درخواست کی، آپ نے فرمایا، بھئی تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کیا کرتے ہو، میں تو آپ کو نہیں جانتا۔ ہاں اگر کوئی ایسا شخص ہے جو تمہارے بارے میں گواہی دے سکے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ پھر میں تمہاری درخواست پر غور کروں گا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ یہ نو وارد ایک صاحب کو لیکر حاضر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے معلوم کیا کہ آپ ان صاحب کے بارے میں کچھ جانتے ہیں؟ جی ہاں نیک اور پرہیز گار آدمی ہے، میں کئی روز سے ان کو مسجد میں باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ صحابی نے پُراعتماد لہجہ میں جواب دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ سوال کیا، اچھا یہ بتلاؤ کیا تم کبھی اس کے پڑوس میں رہے ہو؟ صحابی نے جواب دیا نہیں۔ کبھی تم نے ان سے لین دین بھی کیا ہے؟ جواب ملا نہیں۔ اچھا کبھی آپ ان صاحب کے رفیق سفر رہے ہیں؟ صحابی نے کہا، ایسا موقع تو کبھی نہیں آیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب کچھ سن کر فرمایا پھر آپ نے اتنی جلدی یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ یہ تو بڑا ہی نیک آدمی ہے۔ دراصل اچھا آدمی وہی ہوتا ہے جو عقائد و عبادات اور معاملات سب میں اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ ہو۔

مہلت عمل

طویل علالت کے بعد اسپتال سے رُخصت ہو کر جب والد محترم گھر پہنچے تو افراد خانہ سے کہنے لگے بھئی ڈاکٹر صاحب نے کہہ دیا ہے کہ کوشش تو ہم نے بہت کی اور کر رہے ہیں لیکن آپ کی بیماری اس مرحلہ میں داخل ہو چکی ہے جہاں آپ زیادہ سے زیادہ دو چار مہینہ مزید زندہ رہ سکتے ہیں۔ بیوی بچوں نے جب یہ سنا تو سب کے چہروں پر رنج و ملال، مایوسی و افسردگی کے واضح آثار نظر آنے لگے۔ اسلم صاحب اہل خانہ کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے بولے، بھئی اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ دنیا سے ہر ایک کو جانا ہے۔ فیصلہ کن بات بس اتنی ہے کہ انسان سفرِ آخرت پر جاتے ہوئے اپنے ساتھ کیا لے جاتا ہے اور پیچھے کیا چھوڑ کر جاتا ہے۔ بھلا جس طالبِ علم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا فائنل امتحان سر پر ہے تو وہ اپنا دن کا چین اور رات کا آرام قربان کر کے بھی پوری لگن مکمل انہماک اور لگاتار محنت کر کے امتحان کی تیاری میں مصروف ہو جائے گا۔

ہم میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ اس کا آخری وقت کب اور کس طرح آتا ہے مگر میرے معبود کا مجھ پر کس قدر کرم اور احسان ہے کہ اس نے اپنے اس گناہ گار بندے کیلئے مہلت عمل کا تعین کر کے اس عرصہ کا سگنل دے دیا ہے۔ جب مجھے اس کی بارگاہِ بیکس نواز میں حاضر ہونا ہے۔ اب غفلت اور وقت کے ضیاع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب انسان کے اندر موت کی قربت اور آخرت میں جواب دہی کا احساس شدید ہو اور اپنے معبود کے سامنے حاضر ہونے کا لرزہ خیز تصور فکر و عمل پر پوری طرح غالب آجائے تو پھر انسان وہ عمل اختیار کرتا ہے جس سے اطاعتِ ربّ اور اپنے خالق کی قربت کا راستہ اور قریب ہو جائے۔

ہمارے اسلاف اور اکابرین کا عالم تو یہ تھا کہ بیماری کی حالت میں ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدتِ غم سے رونے لگے اہل خانہ نے جب وجہ دریافت کی تو بولے مجھے دنیا اور اس کی رعنائیوں کو چھوڑنے کا قطعاً غم نہیں، بس سفرِ آخرت کی طوالت اور زادِ راہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں کہ اپنے رحیم و کریم معبود کے سامنے پیش کرنے کیلئے دامن میں کچھ بھی تو نہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قبروں کے پاس سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی اور کہتے جاتے کہ میرے آقا حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہو جائیں گی اور اگر اس میں دُشواری پیش آئی تو پھر دیگر تمام مراحل بے حد دُشوار ہوں گے۔ آخرت میں جواب دہی کا احساس مومن کے کردار کا بہترین محافظ ہے اور اسے راہِ راست سے بھٹکنے نہیں دیتا۔ تزکیہ نفس خوفِ الٰہی توبہ و استغفار اور فکرِ آخرت سے بڑھ کر کوئی دوسرا طریقہ موثر اور معتبر نہیں۔

اسلم صاحب اپنے گھر والوں کو سامنے بٹھا کر اپنی گزری ہوئی زندگی پر افسوس کرتے ہوئے کہنے لگے، ہم یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اونچے بنگلے، شاندار ملبوسات، نئے ماڈل کی قیمتی گاڑیاں، موبائل فون، اعلیٰ تقریبات میں شرکت اور بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات بس یہی کامیاب زندگی ہے لیکن اب پتا چلا کہ چمک دمک والی زندگی کے یہ سارے لوازمات عارضی اور وقتی تھے۔ چاہیں یا نہ چاہیں سب کچھ یہاں ہی رہ جائے گا۔ اپنے ربّ کے سامنے ہم سب کو جلدی یا دیر پیش ضرور ہونا ہے۔ اس کی بارگاہ میں کامیابی و نجات کا صرف ایک ہی معیار ہے اور وہ ہے کہ اپنے خالق کی عطا کی ہوئی زندگی کی عظیم نعمت کو اطاعت ربّ اور اتباع مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گزارا جائے۔ یہ کوئی وعظ یا نصیحت نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت ہے اور عظیم حقیقت جس نے اس کو پا لیا اور عمل کیا حقیقی دنیوی کامیابیاں اور اخروی نجات کی بیش بہا دولت اسے مل گئی۔ پھر یہ کون کہتا ہے کہ دنیا اور اسباب دنیا ترک کردو۔ سب کچھ حاصل کرو مگر خالق دنیا کی مرضی و منشاء کے مطابق خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں دنیا میں رہ کر اپنے رحیم و کریم ربّ کی قربت اور خوشنودی کا عظیم اور گراں قدر سرمایہ مل جائے۔

ہم اپنے ربّ کے حضور ندامت کا احساس لئے ہوئے اشک بار آنکھوں اور شرمسار دل کے ساتھ یہ التجا کرتے ہیں کہ ہمیں ایسی زندگی عطا فرمادے جس سے تو راضی ہوجائے۔

درست عمل

باغ کی دیکھ بھال سے فارغ ہوئے تو نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز شروع ہی کی تھی کہ ایک پرندہ اُڑتا ہوا باغ میں آ نکلا۔ باغ کافی گنجان اور ایک طویل رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ پوری کوشش کے باوجود اسے باہر جانے کا راستہ نہ ملا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر اچانک اس مضطرب پرندے پر پڑ گئی اور آپ اس قدر محو ہوئے کہ یہ بھی یاد نہ رہا کہ کتنی رکعت ادا کر چکے ہیں۔

بعض دفعہ وقتی خیالات، نفس کے شدید مطالبات اور انسان کی گوناگوں مصروفیات عبادت میں خلل انداز ہوتی ہیں لیکن مومن کسی ایسی چیز کی موجودگی کو گوارا نہیں کرتا جو اس کے اور اس کے معبود کے درمیان حائل ہو۔ وہ ان رکاوٹوں کی پرواہ کئے بغیر عبادت کا فریضہ انجام دیتا رہتا ہے اور اپنے ربّ سے التجا کرتا ہے کہ اے معبود! تو نے اپنی بارگاہ میں جھکنے کی توفیق تو عطا فرما دی اب میرے دل کو بھی ہر قسم کے وسوسوں اور خیالات سے پاک کر کے اپنی طرف رجوع فرما لے۔

اصل میں کوئی بھی نیک کام خیر و برکت کے اثرات سے خالی نہیں ہوتا۔ ایک اہلِ دل سے کسی صاحب نے دریافت کیا حضرت عبادت تو پابندی سے ادا کرتا ہوں مگر کچھ اثر نظر نہیں آتا۔ بزرگ فرمانے لگے انسان نیکی کے راستے پر چل کر بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے، تم خلوصِ دل اور پوری توجہ کے ساتھ اپنے معبود کی فرماں برداری میں لگے رہو۔ دیکھو ایک شخص لکھنے کی لگاتار مشق کر کے خوش نویس بن جاتا ہے۔ مومن بھی خوشنودیٔ ربّ کو مقصدِ زندگی بنا کر بندگی کی معراجِ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ انعام بھی کیا کم ہے کہ خالقِ کائنات نے تم کو اپنا ذکر کرنے کی نعمت عطا فرما دی۔ جسے توفیقِ خیر مل گئی وہ ثمراتِ خیر سے بھلا محروم کیسے رہے گا۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز تو پوری کر لی، مگر سوچنے لگے کہ عبادت میں یہ غفلت کہ بندہ اپنے ربّ کے سامنے حاضر ہو اور تصورِ غیر کا آ جائے، اس فعل سے ذوقِ عبادت کی تکمیل تو نہیں ہوتی۔ وہ جانتے تھے کہ نیکی کی اصل روح تو اپنے ربّ سے ایسی محبت ہے کہ رضائے الٰہی کے مقابلے میں دنیا کی کوئی چیز عزیز نہ ہو۔ اگر کسی چیز کی محبت بندہ کے دل پر اس قدر غالب آ جائے کہ وہ اپنے معبود کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو تو یہ بھی ایک رُکاوٹ ہے جسے دور کئے بغیر مومن کو چین نہیں آتا۔

پریشانی کے عالم میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ پھر عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے اس باغ میں پھلدار درخت بکثرت ہیں، یہ باغ میری آمدنی کا ایک ذریعہ بھی ہے، لیکن اگر یہ میرے اور میرے معبود کے درمیان رکاوٹ بن جائے تو اس کے ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔ میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔

نیکیوں کی عظیم دولت

عالیشان عمارات اور اونچی اونچی بلڈنگیں یہاں رہ جاتی ہیں اور ان کے مکین ایک ہچکی کے ساتھ سفرِ آخرت پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ دفتروں کا کام بدستور چلتا رہتا ہے ۔ فائلوں کے ڈھیر محفوظ رہتے ہیں۔ کام کرنے والے دوسری دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ قیمتی گاڑیاں کھڑی رہ جاتی ہیں۔ سوار قبر کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ مہنگے ترین ملبوسات الماریوں میں لٹکے ہی رہتے ہیں۔ پہننے والے کفن لپیٹ کر ہمیشہ کیلئے زیرِ زمین سو جاتے ہیں۔ عیش و نشاط کی محفلوں کی وہی رونق مگر لطف اندوز ہونے والے دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔ کاروبار کی شدت اور وسعت کا یہ عالم کہ سر جھکانے کی فرصت نہیں۔ دن کا چین رُخصت، رات کا آرام ختم، حساب کتاب درست کرنے کی بھی مہلت نہ ملی، ربّ کی طرف سے بلاوا آیا تو کاروبار کرنے والا سب کچھ نامکمل چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ بینک بیلنس یہیں رہ جاتا ہے اور بندہ اپنے اعمال کی بیلنس شیٹ کے ساتھ اپنے ربّ کے حضور پہنچ جاتا ہے۔

جو کچھ بنایا اور کمایا سب یہیں رہ گیا۔ البتہ وہ کام جو اپنے ربّ کی خوشنودی کی خاطر اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں انجام دیئے ان کے خوشگوار اثرات اس دنیا میں بھی باقی رہ گئے اور اجر و ثواب کے لحاظ سے آخرت میں مغفرت و بخشش کا وسیلہ بن گئے۔

ہمارے ربّ کی کرم نوازی کا کیا ٹھکانہ کہ وہ اپنے بندوں کے نیک اعمال میں دس گنا اضافہ فرما دیتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے، 'جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کیلئے دس گنا اجر ہے'۔ اعمال اچھے ہوں یا برے مرنے کے بعد انسان کیساتھ جاتے ہیں۔ حقیقی طور پر تو مالدار اور انعام یافتہ تو وہ ہے جس نے نیکیوں کا سرمایہ اکٹھا کیا یہ اس کیلئے آخرت میں مغفرت کا توشہ بن گیا۔ دنیا میں رہ کر دنیا کو بہتر بنا کر گزارنا بھی ضروری ہے، کیونکہ دنیوی نعمتوں اور لذتوں کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے ٹھکرانا بھی کفرانِ نعمت ہے۔ مگر مومن اپنی دنیوی زندگی میں آخرت کی فکر سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ مقصدِ زندگی اور تقاضائے بندگی یہی تو ہے کہ انسان اپنی آخرت کو بہتر سے بہتر بنانے کیلئے ہر گھڑی کوشاں رہے۔ نیک اعمال ہی اس مقصد کے حصول کا سب سے اہم ذریعہ ہیں۔ دنیوی کاموں کی تکمیل میں انسان کتنی مشقتیں برداشت کرتا ہے پھر بھی بعض غیر یقینی اور مایوس کن صورتِ حال سے دوچار ہو جاتا ہے لیکن خلوص دل سے کئے ہوئے نیک اعمال کا معاوضہ یقینی اور نتیجہ روح پرور ہوتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے نیک اعمال مثلاً السلام علیکم کو رواج دینا، ہر کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا، خندہ پیشانی سے ملنا، ادب و احترام کا مظاہرہ کرنا، حسنِ سلوک سے پیش آنا اور دوسرے چھوٹے بے شمار کام ہیں جو بظاہر معمولی نظر آتے ہیں لیکن اجر و ثواب کے لحاظ سے بہت بڑے اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

نیک اعمال کی برکت

زندگی کے معمولات پر نظر ڈالیں تو پتا چلے گا کہ ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ شعبے میں مصروفِ عمل ہے۔ طالبِ علم حصولِ علم میں مصروف ہے۔ تاجر کاروباری اُمور کی ادائیگی میں منہمک ہے۔ کسان زمین کی کاشت میں لگا ہوا ہے۔ کارخانہ دار مل چلا رہا ہے۔ ملازم اپنی ملازمت میں مشغول ہے۔ یہ سب کچھ معاوضے، عمدہ نتائج اور منافع وفوائد کی اُمید میں ہو رہا ہے۔ غرضیکہ انسان جن جن چیزوں پر بھی محنت کرتا ہے ان میں اسے کبھی کامیابی ہوتی ہے اور کبھی ناکامی۔ لیکن جن چیزوں پر بھی وہ محنت کرتا ہے ان کا وجود دائمی نہیں ہوتا، جو کچھ بھی حاصل کیا یا بنایا یہ ایک محدود مدت کیلئے ہے اور کوئی چیز بھی ہمیشہ اس کے ساتھ باقی نہیں رہتی جو کچھ بھی وہ پاتا ہے وہ ہمیشہ اس کے ساتھ نہیں رہتا، زندگی کے خاتمے کے ساتھ مکان، دکان، کاروبار، زمین، علم، دولت، ڈگریاں سب یہیں رہ جاتی ہیں۔ اس طرح باہر کی دنیا کی ہر چیز کو چارو ناچار چھوڑنا پڑتا ہے۔

اس کے برعکس انسان اپنی ذات کو بنانے سنوارنے اور نکھارنے پر جو محنت کرتا ہے اس سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں انکے نقوش واثرات دائمی اور دیرپا ہوتے ہیں وہ ہر وقت اس کیساتھ رہتے ہیں جہاں کہیں بھی جاتا ہے وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑتے ایسے نیک اعمال اخلاقی صفات کردار وعمل کی خوبیاں پیدا کر کے جب وہ اپنے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ہر گھڑی کوشاں رہتا ہے تو پھر اس کی زندگی کے شب و روز یکسر بدل جاتے ہیں، لوگ اس کو چاہتے ہیں اور وہ سب کو چاہتا ہے، وہ اپنے کردار وعمل کی اعلیٰ خوبیوں سے اپنے معاشرہ کو دیتا بہت کچھ ہے مگر لیتا بہت کم ہے، اس کے وجود سے ایثار ومحبت ہمدردی وتعاون خیر خواہی اور جاں نثاری کے اثرات بڑھتے اور پھیلتے چلے جاتے ہیں، اس طرح اس شخص کو معاشرہ میں جو احترام اور بڑائی عزت وشہرت اسے ملتی ہے، اس کو کوئی چھین نہیں سکتا اور نہ کم کرسکتا ہے۔ اس کی ساری نیکیاں اور اعلیٰ اخلاقی خوبیاں جن پر محنت کر کے وہ اپنی پوری زندگی خوشنودیٔ ربّ اور اطاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گزارتا ہے اس دنیا سے رُخصت ہوتے وقت بھی یہ ساری اخلاقی صفات اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ ارشادِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن سب کچھ دنیا میں ہی چھوڑ جاتا ہے صرف اس کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کا سرمایہ لے کر اپنے ربّ سے جا ملے۔

اگر ہم غور کریں تو دیکھیں گے کہ نیکیوں کے حصول کے بے شمار مواقع ہماری روزمرہ کی زندگی میں بہ کثرت ملتے ہیں، تعلیمی اداروں، دفتروں، کاروباری مراکز، سڑکوں، تقریبات اور معاشرہ میں جو سلوک ہم ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں، اس کی بنیاد اگر حسن اخلاق، تعاون، ایثار و ہمدردی، محنت و مشقت، خوفِ خدا، اپنے ربّ کی رضا کے جذبہ پر ہو تو یہ سب نیکی ہی کے کام تو ہیں خندہ پیشانی کے ساتھ اسلام کو پھیلانا، اچھی بات کہنا، لوگوں کی تکالیف دور کرنا، ان کو آسانیاں پہنچانا، دوسروں کی بھلائی اور خیر خواہی چاہنا، یہ سب نیک اور پسندیدہ اعمال ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، 'تم دوسروں کیلئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو'۔ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ صلحائے امت نے نیکیوں کے اس سرمایہ کو اکٹھا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ یہ نفوسِ قدسیہ عظمت و فضیلت کے اس بلند مقام پر پہنچ گئے کہ دل بھی ان کی عقیدت و احترام میں جھک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ پھر نیکیوں کے سرمایہ میں اضافہ کرنے کا ربّ کریم وعدہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے حضور ایک نیکی لے کر آئے گا اس کیلئے دس گنا اجر ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، دنیا ایک بازار ہے کوشش کرو کہ وہ چیز حاصل کرو جو بازارِ آخرت میں تم کو نفع پہنچائے۔ توحید، اخلاق، نیک اعمال وہاں کا مروجہ سکہ ہے۔

نیک اعمال پر محنت

رزقِ حلال حاصل کرنا تو عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ ایک صحت مند معاشرہ کیلئے ضروری ہے کہ اس کے افراد اپنے ہاتھ سے کام کرنے اور محنت کے مشاغل سرانجام دینے کی عادت ڈالیں، قوموں کی ترقی اور خوشحالی میں محنت کامیابی کی کنجی اور بلند مناصب کے حصول کی پہلی سیڑھی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ انسان دنیا کی جتنی چیزوں پر بھی محنت کرتا ہے اس کے فوائد اسی دنیا میں مل جاتے ہیں۔ موت کی ایک ہچکی کیساتھ یہ سارا مادی ساز و سامان اور دیگر تمام اشیاء یہیں پر ہی رہ جاتی ہیں، کچھ بھی تو ساتھ نہیں جاتا۔ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، ہر شخص کے تین ساتھی ہیں: مال، عزیز و اقارب اور اعمال۔ مال جس کے حاصل کرنے میں بعض دفعہ انسان اپنی توانائیوں، صلاحیتوں کو کام میں لاکر نہ دن کے چین کو دیکھتا ہے اور نہ رات کے آرام کو۔ حلال و حرام کے تصور سے بے نیاز ہو کر بس دولت کے اکٹھا کرنے میں سرگرداں و پریشاں رہتا ہے۔ وہ سارا مال یہیں رہ جاتا ہے۔ رہے عزیز و اقارب اب ان کی بھی یہی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ سفرِ آخرت پر روانہ ہونے والے کو جلد از جلد اس کی منزل تک پہنچا دیا جائے۔ تجہیز و تکفین اور دفن کے بعد وہ بھی واپس آجاتے ہیں۔ جو چیز رخصت ہونے والے کے ساتھ جاتی ہے وہ اس کے اعمال ہیں۔ اللہ کے نیک بندے اپنی اس چندروزہ زندگی میں نیک اعمال کا سرمایہ اکٹھا کرنے میں کبھی غفلت اور لاپرواہی سے کام نہیں لیتے۔ انکی یہی کوشش ہوتی ہے کہ جتنا بھی ہوسکے نیکیوں کی اس دائمی اور حقیقی پونجی کو حاصل کرتے رہنا چاہئے کیونکہ خدا سے قریب کرنے والا زندگی کو بامقصد اور پُرسکون بنانے کا واحد ذریعہ یہ نیک اعمال ہی تو ہیں جن کی یہاں بھی ضرورت ہے اور آخرت میں بھی یہ سرمایہ کام آئے گا۔

ہمارے بزرگ دنیوی اُمور کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اپنے ربّ کو راضی رکھنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر نیک اعمال سرانجام دینے میں بے حد محنت کرتے۔ ان کے دن اپنی روزی کے حصول اور مخلوقِ الٰہی کی خدمت میں اور ان کی راتیں اپنے ربّ کو خوش رکھنے کی خاطر وظائف و اذکار، گریہ وزاری میں بسر ہوتیں۔ دنیا کے دوسرے کاموں کے مقابلے میں نیک اعمال پر جتنی محنت ہوتی ہے اس کے ثمرات اور اجر و ثواب کا کیا ٹھکانہ اگر خلوص دل سے نیک عمل کیا جائے اور وہ اپنے ربّ کی بارگاہ میں قبول بھی ہوجائے تو اس کا دس گنا اجر تو ہمارا خالق عطا فرما رہا ہے۔ نقصان کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ڈھائی فیصدی زکوٰۃ سالانہ کے حساب سے مستحق بندوں کو دیجئے۔ دنیا میں مال میں برکت اور آخرت میں فلاح پایئے۔ صلہ رحمی کرکے دیکھئے مال اور عمر میں اضافہ کا ذمہ اللہ کا رسول لے رہا ہے۔ صدقہ و خیرات، مصیبتوں، بلاؤں اور بیماریوں سے بچاؤ کا اکسیر نسخہ، دنیوی سرمایہ کی حالت تو یہ کبھی فائدہ کبھی نقصان، لیکن نیکیوں کے سرمایہ سے دُنیوی فلاح اور اُخروی نجات کے کتنے راستے کھل جاتے ہیں۔

جتنے بھی اعلیٰ اور فضیلت والے کام ہیں وہ کچھ مشقت طلب اور صبر آزما ہوتے ہیں، اس کے برعکس گھٹیا قسم کے جو کام ہوتے ہیں وہ نہایت سہل بے مشقت اور نفسانی خواہشات کو فوراً تسکین پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ چڑھنے کی بجائے صرف نیچے لڑھکنا پڑتا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ نماز و تلاوت کے مقابلے میں گپ شپ کرنا، مطالعہ کی بجائے سورہنا، فلسفہ پڑھنے کی بجائے ناول پڑھنا، ضبطِ نفس اور ترتیب و تزکیہ کا دردِ سر مول لینے کی بجائے اپنے آپ کو خود نفس کی روش پر چھوڑ دینا عام آدمی کیلئے بے حد آسان ہے۔ اعلیٰ کاموں کے مقابلے میں ادنیٰ کاموں کی یہی فطرت ہے۔

نیت اور عمل کا تعلق

ہر شخص کیلئے یہ بے حد ضروری ہے کہ وہ ہر عمل خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے اس کو ادا کرتے وقت اپنی نیت کو صحیح رکھے اور خود غرضی و مفاد پرستی کے جذبات سے اس کو آلودہ نہ کرے۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی سیرۃ النبی کی چھٹی جلد میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں، 'ہمارے ہر کام کی ادنیٰ اعلیٰ، پست اور بلند متعدد غایتیں ہو سکتی ہیں۔ جس حد تک جو غرض فاعل کی ذاتی و نفسانی غرض و غایت سے پاک ہے اسی قدر وہ بلند اور قابل قدر ہے کسی مالی یا جسمانی معاوضہ کی خاطر کوئی نیک کام کرنا سب سے پست مقصد ہے۔ مذہب کے پابند لوگ اپنے کاموں کی غرض و غایت جنت کی طلب قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تعلیم محمدی میں بہشت کو ایک مومن کے نیک کام کا لازمی نتیجہ ضرور بتایا گیا ہے۔ مگر اس کو نیک کام کی غرض و غایت قرار نہیں دیا گیا ہے'۔ ایک مرد صالح نے کسی شخص سے دریافت کیا، بھئی تم عبادت کثرت سے کرتے ہو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے لیکن اس سارے عمل کا مقصد کیا ہے؟ وہ شخص بولا، حضرت ہم تو بے حد گناہ گار ہیں۔ بس خواہش یہی ہے کہ ہمارا ربّ دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا کر جنت کی نعمتیں عطا فرما دے۔ جب ہمارے معبود کا کرم ہو جائے گا تو جنت مل ہی جائے گی۔ ہم کو عبادات بس اس نیت سے کرنی ہے کہ ہمارا ربّ ہم سے خوش ہو جائے۔

عمل وہی نیک ہے جس میں خوشنودیٔ ربّ اور اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شامل ہو۔ کسی بزرگ کا عقیدت مند ہانپتا کانپتا ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بے حد افسوس اور رنج کے ساتھ عرض کرنے لگا، حضور سنا تھا کہ آج آپ تقریر فرمائیں گے، آپ کے ارشادات وعظ و نصیحت کی باتیں سننے حاضر ہوا تھا لیکن سواری وقت پر نہ ملنے کی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہا۔ بزرگ نے فرمایا، اچھا میرے سامنے بیٹھو۔ اس مردِ درویش نے اپنے سامعین سے جو کچھ فرمایا تھا وہی سارا اس اکیلے شخص کو سنا دیا۔ آنے والے نے بے حد شکریہ ادا کیا۔ بزرگ فرمانے لگے بھئی شکریہ کی کیا بات، ہزاروں کے مجمع کے سامنے تقریر کی تو بھی اپنے ربّ کو راضی کرنے کی خاطر اور اگر تم کو سنایا تو بھی صرف اپنے معبود کی رضا جوئی اور خوشنودیٔ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طلب گار رہوں۔

نیک اعمال کی حقیقت

خدمتِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور تین دفعہ ایک ہی سوال دہراتے ہوئے عرض کرنے لگا، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ایک بندہ جہاد فی سبیل اللہ کیلئے گھر سے نکلتا ہے مگر اس کے دل میں دنیا کا مال واسباب حاصل کرنے کی خواہش بھی ہوتی ہے، اس کے اجر وثواب کے بارے میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا کیا ارشاد ہے؟ رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تینوں دفعہ ایک ہی جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ خالص ربّ کی رضامندی کیلئے نہ ہو۔ اعمال کے اجر وثواب کا انحصار ان کی ظاہری شکل وصورت پر نہیں بلکہ اسی بات پر ہے کہ وہ عمل صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کیلئے کیا جائے۔ نیک اعمال میں جہاد بے حد فضیلت والا عمل ہے لیکن اگر اس میں بھی مال کی طلب، شہرت کی نمائش، مخلوق کی تعریف اور دنیوی منافع کے حصول کی خواہش پیدا ہو جائے تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے اور یہ عمل ربّ کی بارگاہ میں قبول نہیں ہوتا۔

دراصل ہم جو بھی کام کرتے ہیں اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں، ایک ظاہری اور دوسری باطنی جس کو ارادہ اور نیت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ہر عمل کی پشت پر خواہ وہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو۔ اپنے معبود کو خوش کرنے کی تڑپ دل میں موجود نہ ہو، وہ قبولیت کے درجے تک نہیں پہنچتا۔ اس طرح نہ تو عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ ہی اخلاق و معاملات عبادت کا درجہ پاتے ہیں، نیک عمل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق انجام دیا گیا ہو۔ جب تک نیک عمل آداب وشرائط، خشوع وخضوع اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ادا نہ کیا جائے تو وہ نیک عمل کی شکل تو ضرور ہوگی، نیک عمل نہ ہوگا۔ ایک شخص کو سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ نماز جلدی جلدی پڑھ رہا ہے نہ ارکان کی ادائیگی کا خیال نہ اس بات کا دھیان کہ اپنے کیسے عظیم الشان رحیم وکریم ربّ کے سامنے سرِ نیاز خم کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، تم نماز دوبارہ پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ غور فرمایئے! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے نماز جلدی جلدی پڑھی ہے پھر پڑھو بلکہ صاف طور پر ارشاد فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ نیک عمل کی ادائیگی کے بعد بھی اجر وثواب سے محرومی کیسی بدنصیبی کی بات ہے۔

سورۂ احقاف میں بندۂ مومن اپنے ربّ سے التجا کرتا ہے کہ اے ہمارے معبود! ایسے نیک کاموں کی توفیق عطا فرما جو تجھ کو پسند ہوں اور ایسے اعمال سے بچا جن کو لوگ تو پاکبازی ودینداری کی علامت سمجھیں، تحسین وآفرین کے پھول برسائیں لیکن رِیا، ناموری، نام ونمود کی نمائش یا کسی دوسری خرابی کے باعث بارگاہِ الٰہی میں مسترد ہو جائیں۔

کسی بھی شخص کا نیک عمل سرانجام دینا اس بات کی علامت ہے کہ اس کا اپنے ربّ سے قریبی تعلق ہے۔ اب اگر یہ کام چھوڑ دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بندے کا تعلق اپنے ربّ سے یا تو ٹوٹ گیا ہے ورنہ کمزور تو ضرور پڑ گیا ہے۔ یہ کوتاہی معمولی کوتاہی نہیں بلکہ روحانی زندگی کا ایک المناک واقعہ ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، نیک عمل کی کثرت مطلوب نہیں بلکہ اس کی پابندی مقصود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین عمل وہ ہے جو پابندی سے کیا جاتا رہے۔ اللہ کے نیک بندے اس بات کیلئے کوشاں رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کا یہ نیک عمل بارگاہِ ربّ العزت میں مقبول و منظور ہو جائے۔ عمل صالح کی ادائیگی بندے کے بس کی بات نہیں، یہ تو ربّ کریم کا کرم اور انعام ہے، جس نے عمل خیر کی توفیق اور موقع عطا فرما دیا۔

مومن اپنے اچھے اعمال پر نازاں ہونے کی بجائے ان کی قبولیت کے بارے میں ہر گھڑی فکر مند رہتا ہے۔ حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی وفات کے وقت رو رہے تھے۔ لوگوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو کہنے لگے، ساری عمر تو آپ نے نیکیاں کمانے اور اپنے معبود کو خوش کرنے میں گزاری، رونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے جواب دیا، میرے ربّ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ متقیوں کے عمل قبول فرماتا ہے۔ تقوے کی بلند مقام تک رسائی بے حد مشکل کام ہے۔ معلوم نہیں میری عبادتیں قبول ہوں گی یا نہیں۔ یہی غم کھائے جا رہا ہے۔

نیک اعمال کی حقیقت واضح کرتے ہوئے پیر کرم شاہ اپنی تفسیر ضیاء القرآن جلد اوّل صفحہ ۳۹۴ پر تحریر فرماتے ہیں، اعمالِ صالحہ کی قبولیت کیلئے ایمان کا ہونا شرط اوّلین ہے۔ ایک آدمی قطعۂ زمین کو ہموار کرتا ہے اس سے جڑی بوٹی اُکھاڑ کر باہر پھینکتا ہے پھر اسکی آبیاری کرتا ہے اور رات دن اس کی نگرانی میں مصروف رہتا ہے لیکن اس میں بیج نہیں ڈالتا تو کیا اس طویل محنت و مشقت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوگا۔ اسی طرح اگر ایمان کا تخم نہیں تو دنیا جہاں کی ساری نیکیاں بے ثمر ہونگیں۔

عمل صالح ہو ہی نہیں سکتا، جب تک عامل میں صفت ایمان موجود نہ ہو۔ صرف ایمان ہی وہ قوت ہے جو ہر عمل کا رُخ اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف موڑ دیتی ہے۔ اس نسبت کی برکت سے انسان کا ہر عمل صالح بن جاتا ہے۔

نیک اعمال کی بنیاد

یہ بات اپنی جگہ دُرست ہے کہ انسان کا کوئی فعل بھی بے مقصد نہیں ہوتا۔کہیں مالی منفعت ہوتی ہے کہیں معاوضے کی طلب، کہیں عزت وشہرت کے حصول کا جذبہ،کبھی نیک نامی کی خواہش،لیکن اسلام کے نزدیک ان تمام مقاصد میں سب سے ارفع واعلیٰ مقصد یہ ہے کہ بندے کے ہرعمل میں رضائے الٰہی پیش نظر ہو۔مومن ہمیشہ اپنے نیک عمل کا اجرا پنے ربّ سے طلب کرتا ہے۔ وہ دوسروں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کر کے یہ کبھی نہیں چاہتا کہ اس کی نیک نامی، خدمت گزاری اور دینداری کے چرچے عام ہوں بلکہ اس کی خواہش اور کوشش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے فعل سے بس اس کا ربّ خوش ہو جائے اور اس کی پوری زندگی اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بسر ہو۔مومن کی دنیوی زندگی کے سفر میں اطاعت اس کا زادِراہ اور خوشنودئ ربّ اس کی منزل بن جاتی ہے۔

لیکن اگر اس بظاہر نیک عمل کی پشت پر یہ جذبہ کارفرما ہو کہ کسی کی مدد اس لئے کی جائے کہ لوگ مدد کرنے والے کو خیر خواہی کا سرٹیفکیٹ دے کر اس کو ایک ہمدرد غم خوار اور اچھا انسان سمجھیں یا دیکھنے اور سننے والے اس عمل پر اس کی تعریف کریں تو پھر اس نیت کے تحت کیا گیا عمل کسی اُخروی فائدے کی بجائے سراسر خسارے کا موجب ہوگا۔لیکن اگر یہی کام اس خواہش کے تحت انجام دیا جائے کہ یہ فعل میرے ربّ کو پسند ہے اور بس اسی کی رضا مجھے مطلوب ہے تو پھر یہ کام سراسر نیکی کا عمل شمار ہوگا۔ بعض دفعہ انسان ایک نیک کام بھی دنیوی فوائد کے حصول کی خاطر انجام دیتا ہے۔اس طرزِ عمل سے اس نیک کام کی دینی حیثیت بھی مجروح اور مشکوک ہو جاتی ہے۔

ایک صاحب حج کر کے واپس لوٹے تو جو سامان وہ اپنے ہمراہ لائے تھے اس کی ایک طویل فہرست ہاتھ میں لے کر ایک بزرگ کو سارا سامان دکھاتے جاتے۔ مرد درویش نہایت صبر اور کامل اطمینان سے یہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہے۔حج سے لوٹنے پر عزیز واقارب دوست اور دیگر احباب کیلئے تحائف یا اپنے ذاتی استعمال کیلئے مختصر اور ضروری سامان لانا کوئی ممنوعہ فعل نہیں لیکن یہ رویہ شریعت کی نظر میں قابل گرفت ہونے کے ساتھ ساتھ قانونی لحاظ سے بھی جرم ہے کہ زائد سامان کی ڈیوٹی بچانے کیلئے انسان غیر ضروری ذرائع اور وسائل اختیار کرے۔ جو سامان یہ صاحب حرمین شریف سے لے کر آئے تھے اس کی کثرت اور تنوع کا دائرہ اس حد تک وسعت اختیار کر گیا کہ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ موصوف شاید کسی کاروباری سفر سے واپس آئے ہیں۔ بزرگ جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو پھر سوالیہ انداز میں بولے، میرے عزیز! یہ جو کچھ تم اس شوق سے لیکر آئے ہو یہ سب چیزیں تو کم یا زیادہ قیمت پر ہمارے ملک میں بھی مل جاتی ہیں۔

میرے عزیز مجھے تو بس اتنا بتا دو کہ تم سب چیزیں تو لے کر آئے ہو مکہ مکرمہ مدینہ منورہ اور دیگر متبرک مقامات کی حاضری کے بعد۔ اپنے ربّ اور اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا نیا جذبہ اور محبت کا قیمتی اور انمول تحفہ بھی لے کر آئے ہو؟ بندگیٔ ربّ اور حُبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی وہ عظیم سرمایہ ہے جو ہمارے ہر عمل کو مقبول اور لائق اجر وثواب بنا دیتا ہے۔

نیک اعمال کی وسعت

خوشنودیٔ ربّ اور اتباعِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو کام بھی کیے جائیں گے وہ سب نیکیوں میں شمار ہوں گے خواہ ان کا تعلق ہماری نجی زندگی اور پرائیوٹ معاملات سے ہی کیوں نہ ہو۔ اگر ایک شخص بازار میں یا راستہ پر چل رہا ہے مگر نظریں نیچے کیے ہوئے ہے کیونکہ اس کے ربّ کا یہ حکم ہے۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہر کام کرتے وقت اگر انسان اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش نظر رکھتا ہے۔ دکاندار خوفِ خدا اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کے ساتھ پورا پورا تول کر اپنے گاہک کو اصل اور عمدہ چیز فروخت کر کے اس کی ضرورت، بھلائی اور بہتری کا خیال رکھتا ہے تو یہ سارے نیک ہی کام ہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت وخوشنودی انسان کا مقصد ہو۔

نیک عمل اسی طرح کیا جائے جس طرح اس کے کرنے کی حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے قریب جا کر ان الفاظ سے سلام کیا، علیک السلام یا رسول اللہ۔ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، علیک السلام نہ کہو بلکہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہو۔ ہر مسلمان ملاقات کی ابتداء ان ہی جملوں سے کرتا ہے۔ یہ الفاظ دعا ہی ہیں اور ایک مسلمان بھائی کی طرف سے اپنے دوسرے بھائی کیلئے نیک خواہشات امن وسلامتی کے اظہار کا ذریعہ بھی۔ اگر کوئی شخص السلام علیکم کی بجائے اُردو میں آداب عرض، تسلیمات سلام مسنون یا سلامت رہو کے الفاظ بوقتِ ملاقات ادا کرتا ہے تو معنی ومفہوم تو اس کے وہی ہیں جو السلام علیکم کے ہیں، مطلب بھی پورا ہو جاتا ہے لیکن اتباعِ سنت کی فضیلت اور اس اجر وثواب سے وہ محروم رہے گا جو السلام علیکم میں موجود ہے۔ ہر کام کرتے وقت صرف یہ نیت نہ ہو کہ یہ اچھا کام کسی نہ کسی طرح پورا ہو جائے بلکہ اس کیلئے طریقہ بھی وہ اختیار کیا جائے جس کی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔

نیک عمل خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو، انسان اس کو معمولی اور کم درجے کا نہ سمجھے، کیا معلوم کہ وہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومنظور ہو کر ہماری مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔ اسلئے نیک عمل کرنے کا جب بھی موقع ملے لیت ولعل میں پڑنے کی بجائے اسے کر لینا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی نیک کام سے مصیبتیں اور پریشانیاں ٹل جائیں اور یہی کام سرمایۂ نجات بن جائے۔ اللہ کے نیک بندے اپنے کسی بھی نیک عمل کو اپنا ذاتی کمال نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے اپنے ربّ کا کرم جانتے ہیں کہ انکے معبود نے انکو نیکی کی توفیق عطا فرمادی اگر وہ ہمارے ان اعمال کو شرفِ قبولیت بخش دے تو یہ اس رحیم وکریم ربّ کی کرم نوازی اور عطاء وبخشش ہے۔ اس کی رحمت کا کیا ٹھکانہ کہ ہمارے نیک عمل کا دس گنا اجر عنایت فرمانے کا وعدہ فرما رہا ہے۔ جو ایک نیکی لے کر آئے گا اس کیلئے دس گنا اجر ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، تم ہر وقت موت کے سایہ میں چلتے پھرتے ہو، مگر اس کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ وقت نیک کاموں میں بسر ہو، مگر یہ بات توفیق الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ قبل اس کے کہ موت عمل کے مواقع ختم کردے تم نیک اعمال کرو اور اللہ تعالیٰ سے اسکی توفیق مانگتے رہو۔ اللہ تعالیٰ صرف ان اعمال کو قبول کرتا ہے جو صرف اس کیلئے کئے گئے ہوں۔ وہی حقیقی اطاعت ہوگی۔ دراصل یہ ایسی دولت ہے جو تم اس فانی دنیا میں آخرت کیلئے مہیا کروگے۔ یہ تمہاری ضرورت کے وقت کام آئے گی۔

ایک مومن کو ہر وقت یہی خدشہ رہتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی میرے معبود کا جو مجھ پر حق تھا وہ ادا پھر بھی نہ ہوسکا۔ اسکی وسیع ترین رحمت کے مقابلے میں میری معمولی نیکیوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جب اس دنیائے فانی سے رُخصت ہونے لگے تو بہ چشم تر لوگوں سے فرماتے جاتے، بھئی تم بلند مراتب ودرجات کی بات کرتے ہو اگر آخرت میں بخشا جاؤں تو یہ میرے ربّ کا بے حد لطف وکرم ہوگا۔

روح

زندگی میں جن لوگوں سے قریبی روابط اور خوشگوار تعلقات رہے جن کی ہمدردیوں، مشقتوں، مالی آسودگیوں اور دوسری خوبیوں سے انسان نے فائدہ اُٹھایا۔ دانش مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے دعائیں اور دیگر نیک اعمال انجام دیئے جائیں۔لوگوں کو فائدہ پہنچانا ایک نیک اور مستحسن عمل ہے۔ ارشادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، 'لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے'۔مرحومین کو ان فوائد و برکات سے کیوں محروم رکھا جائے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقائے نامدار حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کسی مرنے والے کے درجات بلند ہوتے ہیں تو اس کو حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوگیا لیکن جب اس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ اس کی اولاد اس کیلئے دعائے مغفرت کرتی رہی ہے یہ اس کا ثواب ہے جو اس کی روح کیلئے سکون واطمینان کا ذریعہ بن گیا تو اس کو بے انتہا مسرت ہوتی ہے۔سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ مومنین کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے، 'جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے'۔معلوم یہ ہوا کہ زندوں کو مرنے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنی چاہئے۔اس سے ان کے گناہ بخشے جاتے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

آجکل جہاں اور بہت سی معاشرتی برائیاں اور ناہمواریاں عام ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مردہ کو ثواب پہنچانے کے نیک عمل کے ساتھ رسم و رواج کی پابندی اور پیروی کا دائرہ اس حد تک بڑھ گیا ہے، جس سے بعض دفعہ میت کے ورثاء مالی پریشانیوں اور غیر ضروری اضافی اخراجات کے بوجھ تلے اس قدر دَب جاتے ہیں کہ قرضہ لینے تک نوبت آجاتی ہے لیکن ہوتا سب کچھ ہے تاکہ عزیز واقارب اور برادری میں اپنا بھرم اور وقار قائم رہے اور کسی قسم کی شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے۔ رسوم و رواج نبھانے کی خاطر کسی کے انتقال کے بعد لوگوں کی ایک بڑی تعداد کیلئے کھانے کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، جس پر ہونے والے وسیع اخراجات چاروناچار اہل خانہ یا میت کے دوسرے قریبی ورثاء کو برداشت کرنا پڑتے ہیں۔بعض خاندانوں میں اس رواج کی بھی پابندی کی جاتی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے گھر والوں کیلئے کھانا بھجوانے کی ذمہ داری ان خواتین کے والدین یا ان کے بھائیوں کی ہے جو اس گھر میں شادی ہوکر آئی ہیں۔مستحب طریقہ یہ ہے کہ جو کھانا میت کے اہل وعیال کیلئے بھیجا جائے وہ ان کی دلجوئی دلداری اور غم گساری کرتے ہوئے ان کو خود کھلایا جائے۔وہ غمگین اور رنجیدہ ہوتے ہیں۔کھانا ان کے حلق سے کیسے اُترے۔البتہ اگر تعزیت کیلئے کچھ لوگ دُور سے آئے ہوئے ہوں اور دوسرا کوئی بندوبست بھی نہ ہو تو دوسرے حضرات ان کیلئے بھی کھانے کا انتظام کردیں تو بہتر ہے کہ یہ بوجھ مرنے والے کے اہل وعیال پر کیوں ڈالا جائے۔

اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان مبارک بس اس قدر ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جعفر کے گھر والوں کیلئے کھانا تیار کیا جائے۔وہ اس حال میں ہیں کہ کھانے کی طرف توجہ نہ کرسکیں گے۔ اس کارِ خیر میں ہر شخص جو بھی اور جتنی بھی استطاعت رکھتا ہو، حصہ لے سکتا ہے۔ فضول خرچی، نمود و نمائش، شہرت و ناموری سے اجتناب کرتے ہوئے جو بھی عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کی خاطر کیا جائے وہ دنیوی فلاح کا ذریعہ اور اخروی کامیابی وکامرانی کا وسیلہ ہے۔

نیکی پر غرور

انسان میں جب بھی کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے تو وہ اپنے کمال کے احساس اور صلاحیتوں کے اعتراف میں بے پناہ لذت محسوس کرتا ہے اور بظاہر یہ کوئی معیوب اور ناپسندیدہ فعل بھی نہیں۔ بشرطیکہ صاحبِ کمال خالق کمال پر نظر رکھے اور اپنی ہر خوبی کو ربّ ذوالجلال کا انعام تصور کرے۔ ہاں جب یہ خیال اور احساس اس قدر ترقی کر جائے کہ وہ لوگ جو ان خوبیوں سے محروم ہیں وہ انہیں اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھنے لگے تو پھر یہ تکبر کی علامت اور اپنی بڑائی کا سراسر بے جا اظہار ہے۔

تکبر دراصل اخلاقی پستی کا دوسرا نام ہے۔ انسان اس نشہ سے مغلوب ہو کر اپنی حیثیت اور حقیقت کو فراموش کر بیٹھتا ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بلند مخلوق تصور کرنے لگتا ہے اور پھر ایک عجیب و غریب ہوا اس کے دماغ میں بھر جاتی ہے۔ وہ اپنی خود پسندی کے جذبے سے اس قدر مغلوب اور خودنمائی کے شوق میں ایسا منہمک ہو جاتا ہے کہ جامے میں پھولے نہیں سماتا۔ ایسا شخص قبول حق کی صلاحیتوں سے محروم ہی نہیں بلکہ اُخروی سزا کا بھی مستحق قرار پاتا ہے۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا، جس کسی کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

پھر تکبر کی بھی مختلف شکلیں ہیں۔ کبھی انسان دولت کی فراوانی کے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی علمی برتری کا زعم اسے لاحق ہوتا ہے، کبھی اپنے حسن پر نازاں ہو کر کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتا اور کبھی اپنی نیکیوں پر فخر کا برملا اظہار کرتا ہے۔ ویسے تو یہ سب صورتیں انسانی کردار کو داغ دار کر دیتی ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ خطرناک شکل نیکیوں پر غرور ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اوائل عمر میں ایک دفعہ میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ سفر پر گیا تا کہ حضرات اہل اللہ کی صحبتوں سے مستفیض ہوسکوں۔ دورانِ سفر مسجد کے ایک حجرے میں قیام کیا۔ نمازِ عشاء سے فارغ ہوکر میں اور والد صاحب دونوں سو گئے۔ والد محترم تہجد کی نماز کیلئے بیدار ہوئے اور مجھے بھی اُٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں تعمیل حکم میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وضو کیا اور نماز کی تیاری شروع کی لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دوسرے تمام لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں اور نماز کی ادائیگی سے غافل ہیں۔ میں نے ان کو جگانا مناسب تو نہ سمجھا لیکن یہ کہے بغیر بھی نہ رہ سکا کہ کیسے خدا تعالیٰ کے ناشکر گزار بندے ہیں کہ رات کی اس خاموشی اور خلوت کی اس پاکیزہ فضا میں کیسی غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ ادھر میری زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے ادھر والد گرامی مجھ پر برس پڑے اور ناراضگی کے عالم میں فرمایا، برخوردار اس سے بہتر تھا کہ تم بھی نہ اٹھتے کم از کم اپنی نیکی اور پارسائی کے اظہار اور دوسروں پر انگشت نمائی کے گناہ سے تو بچ جاتے۔ جاؤ اپنے ربّ کی بارگاہ میں اپنی اس کوتاہی پر توبہ کرو۔ کیونکہ عمل خیر کی توفیق اور اس کی قبولیت یہ سب کچھ ہمارے معبود کا انعام ہی تو ہے۔

دانشمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان نیکی کے مواقع کو غنیمت جانے اور اسے اپنے خالق کا عطیہ سمجھ کر اس کا شکر ادا کرے کہ کیا معلوم مہلت عمل کب ختم ہوجائے اور وہ دوسروں پر نکتہ چینی اور ان کی خامیوں اور عیوب کی تلاش میں ہی لگا رہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی عبادت یا نیکی جو دل میں غرور پیدا کرے اور جس کے کرنے کے بعد انسان اپنے کو برتر اور دوسرے کو کمتر سمجھنے لگے اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے اور پھر سارے کئے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے۔

نیت کی درستی

کسی بھی کام کے صحیح یا غلط ہونے کا دارومدار اس بات پر ہے کہ کام کرنے والے کی نیت کیا ہے۔ دل کے احساسات و جذبات ہی اچھے اور برے عمل کی بنیاد بنتے ہیں۔ ہر عبادت اور اطاعت اسی وقت قبول ہوتی ہے جب وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کی جائے یہی نیک عمل کی روح اور قبولیت کی شرط ہے۔ نیت کے فرق اور تبدیلی سے نیکی کا کام بھی باعثِ اجر و ثواب نہیں رہتا۔ مثلاً ایک شخص نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ لوگ اسے عبادت گزار، متقی اور پرہیزگار کہیں۔ غریبوں اور محتاجوں کی مدد اس لئے کرتا ہے کہ اس کی سخاوت اور فیاضی کے ڈنکے بجتے رہیں۔ دین کی تبلیغ کیلئے خطابت کی آتش بیان کے پیچھے یہ خواہش بھی کارفرما ہو کہ لوگ اس پر تحسین و آفرین کے پھول برسائیں۔ خدمتِ خلق اور دوسرے قومی کام وہ اس وجہ سے کرے کہ لوگ اس کے بارے میں بہترین رائے قائم کرکے اسے معاشرہ کا معزز ترین فرد سمجھیں اور رہنمائی و قیادت کے منصب کے حصول کا راستہ آسان ہوجائے۔ ایسے خیال رکھنے والے شخص کو ہرگز یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ اس کو ان نیک عمل پر کوئی اجر ملے۔ خدمتِ خلق اور رفاہِ عامہ کے یہ کام نیکیوں میں قطعاً شمار نہیں ہوتے۔

اسلام میں ہر قسم کے نیک کاموں کی غرض و غایت صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ انسان کے اس عمل سے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہوجائے۔ لیکن اگر کسی شرعی معذوری یا مجبوری کی وجہ سے وہ یہ کام انجام نہ دے سکے۔ لیکن دل میں اس نیکی کے حصول کی تڑپ اور نیت ہو تو بھی خالق کائنات اس پاکیزہ جذبے کی وجہ سے اس کو اس کا اجر عطا فرمادے گا۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جو شخص دل سے کسی نیک کام کی نیت کرے تو ایک نیکی کا ثواب تو اس وقت ہی اس کو مل جاتا ہے اور جب اس پر عمل بھی کرلے تو دس نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔ درحقیقت نیک نیتی خود ایک مستقل عبادت، بندگی کا تقاضا اور اپنے ربّ سے تعلق کی واضح دلیل ہے۔ ارشادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، آدمی کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ کیونکہ عمل تو اسی کا اظہار ہے۔ اصل دولت تو یہ پاکیزہ جذبہ ہے۔ لہٰذا بندے کا فرض ہے کہ وہ نیک کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور قرب کا سبب ہوں مگر وہ ظاہری اسباب و وسائل کی بناء پر اس کی قدرت و طاقت سے باہر بھی ہوں تب بھی ان کو انجام دینے کی پختہ نیت، جذبہ صادق اور شوق اپنے دل میں ضرور رکھے تاکہ ان کاموں کے کرنے کی سعادت اگر میسر نہ بھی آئے تو ان کے اجر و ثواب سے تو محروم نہ رہے۔ دنیا میں بھی خلوصِ نیت کامیابی کی اصل بنیاد ہے۔

نیک عمل اور اس کے تقاضے

ایسے بہت سے لوگ نظر آجائیں گے جو نیک اعمال تو کثرت سے کرتے ہیں مگر ان کے اثرات ان کے روزمرہ کی زندگی کے معمولات پر پڑتے دکھائی نہیں دیتے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ نیک کام اس طرح نہیں کرتے جس طرح ربّ چاہتا ہے۔ نیک عمل اپنی جگہ ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری اور اہم بندے کی یہ کوشش ہے کہ اس کا یہ نیک عمل اس کے ربّ کی بارگاہ میں منظور و مقبول ہو جائے، کیونکہ اس پر ہی اس کی فلاح و دنیوی اور نجات اُخروی کا دارومدار ہے۔ بندۂ مومن جب بھی کوئی نیک عمل انجام دیتا ہے اسکے دل میں اللہ سے محبت کا شدید جذبہ اسکی رضا کی طلب، جنت کا شوق عذاب سے نجات کی فکر غالب رہتی ہے۔ اپنے اچھے کام پر نازاں ہونے کی بجائے اپنی خطاء پر ندامت ربّ سے مغفرت عفو و درگذر کی التجاء اور تڑپ میں اپنی زندگی کے شب و روز بسر کرتا ہے۔

نیک عمل ہے ہی وہ جس کے کرنے میں خوشنودیٔ ربّ اور اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش نظر ہو اور اگر یہ جذبہ اور احساس موجود نہ ہو تو وہ نیک عمل کی شکل تو ہو سکی ہے، نیک کام نہیں کہلا سکتا۔ ایسے بہت سے کام ہیں مثلاً نماز ہی کو لیجئے، ایک شخص جلدی جلدی نماز پڑھ رہا تھا حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا تم دوبارہ نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ نیک عمل کرنے کے بعد بھی نیک عمل نہیں رہا۔ صدقہ کرنا بے حد نیک کام ہے لیکن اگر جس کو صدقہ دیا جائے اس پر احسان جتایا جائے یا تکلیف پہنچائی جائے تو ایسا صدقہ قبول ہی نہیں ہوتا، اجر و ثواب تو دور کی بات ہے۔ جہاد کتنی فضیلت والا عمل ہے لیکن اگر دل میں مال و دولت، شہرت و عزت کی خواہش موجود ہو تو یہ ساری قربانی اجر و ثواب سے خالی ہی رہے گی۔ نیک اعمال کی ادائیگی میں محنت، کوشش اور وقت صَرف کرنے کے باوجود گناہ گاروں کی بخشش و مغفرت کا ذریعہ نہ بن سکیں تو یہ کس قدر بدنصیبی کی بات ہے۔

سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ نے بندۂ مومن کی دعا کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ اپنے ربّ سے التجا کرتا ہے، اے میرے معبود! مجھے ایسے نیک کاموں کی توفیق عطا فرما جو تجھ کو پسند ہوں اور ایسے اعمال سے بچا جن کو لوگ تو پاکبازی و دینداری کی علامت سمجھیں لیکن ریا، شہرت، نمود و نمائش یا کسی دوسری خرابی یا کوتاہی کے باعث بارگاہِ الٰہی میں مسترد ہو جائیں۔ اسلئے نیک کام کرنے والے کو ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ کہیں اس میں اپنے ربّ کی نافرمانی اور حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف کوئی کام نیک عمل کے ساتھ تو نہیں ہو رہا۔ مسجد میں جانا اور عبادت کرنا ایک نیک کام ہے لیکن حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشادِ گرامی ہے، مسجد میں دنیوی باتیں نیکیوں کو اس طرح ضائع کر دیتی ہیں جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ تلاوتِ قرآن پاک کرنا اور دِین کی باتیں لوگوں تک پہنچانا ایک نیک اور فضیلت کا کام ضرور ہے لیکن اگر یہ عمل لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اس کثرت اور اس قدر اونچی آواز کے ساتھ جاری رکھا جائے کہ بیماروں کی تکلیف میں اضافہ ہو جائے، طلباء اپنی تعلیم

جاری نہ رکھ سکیں، بچوں اور بڑوں کیلئے نیند کرنا اور دوسرے پیشتر کام سکون و اطمینان سے انجام دینا محال ہوجائے۔ ان تکالیف کے ساتھ اس نیک کام میں گناہ کی آمیزش بھی ہوجاتی ہے۔ اس شکل میں اگر یہ نیک عمل قبول بھی ہوگیا تو اس کے اجر وثواب میں کمی تو ہوجائے گی۔ ہادیٔ برحق احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو نماز باجماعت میں اپنی قرأت کو مختصر فرمادیتے تاکہ بچوں کے رونے کی وجہ سے ان کی ماؤں کو تکلیف نہ پہنچے۔

نیک عمل کی خوبی یہ ہے کہ وہ پابندی سے کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے، نیک عمل کی کثرت مطلوب نہیں بلکہ پابندی مقصود ہے۔ مختصر یہ کہ عمل صالح کی ادائیگی بندے کے بس کی بات نہیں یہ تو ربّ کریم کا کرم اور انعام ہے جس نے عمل خیر کی توفیق عطا فرمادی۔ بندہ اس نوازش پر اپنے معبود کا جس قدر بھی شکر ادا کرے کم ہے۔

☆ .... ☆